روزنامہ
الفضل

C.P.L 29-FD ٹیلیفون نمبر 047-6213029

Web: http://www.alfazl.org
Email: editor@alfazl.org

ایڈیٹر: عبدالسمیع خان

پیر 13 اگست 2007ء 28 رجب 1428 ہجری 13 ظہور 1386 ہش جلد 57-92 نمبر 183

مدینہ سے محبت

حضرت ابن عمرؓ کو مدینہ سے شدید محبت تھی اور سخت تنگی کے عالم میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ان کی ایک لونڈی نے بدحالی کی وجہ سے مدینہ سے جانے کی اجازت مانگی تو انہوں نے فرمایا:۔

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔

(مسند احمد جلد2 صفحہ 113 حدیث نمبر:5665)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمتِ پاکستان کے حوالے سے نوجوانوں کو بیش قیمت نصائح

اگر تم پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرو گے تو تمہارا نام عزت سے لیا جائے گا

تم پاکستان کی خشت اول ہو، تمہیں اس بات کا بڑی احتیاط سے خیال رکھنا چاہئے کہ تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی نہ ہو

اے قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں

حضرت مصلح موعود نے پاکستان کے سب نوجوانوں کو خدمتِ پاکستان میں بھرپور حصہ لینے کی ہمیشہ تلقین فرمائی۔ چنانچہ حضور نے پاکستان کے نونہالوں اور جگر گوشوں کو خاص طور پر مخاطب کیا اور فرمایا:۔

”تم ایک نئے ملک کے شہری ہو۔ دنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی سی مملکت کے شہری ہو۔ تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے ایک غریب ملک ہے۔ دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن اور سکون سے رہنے کے عادی ہو چکے ہو۔ سو تمہیں اپنے اخلاق اور کردار بدلنے ہوں گے۔ تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دنیا میں قائم کرنی ہوگی۔ تمہیں اپنے ملک کو دنیا سے روشناس کرانا ہوگا۔ ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے لیکن اس کی عزت کو بنانا اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے۔ تم ایک نئے ملک کی پود ہو تمہاری ذمہ داریاں پرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت زیادہ ہیں۔ انہیں ایک بنی ہوئی چیز ملتی ہے، انہیں آباء کی سنتیں یا روائتیں جن پر عزت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں اور ان روائتوں کی راہنمائی میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔

پس دوسرے قدیمی ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم ان کے مقابلے پر ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو۔ وہ اپنے کاموں میں اپنے باپ دادوں کو دیکھتے ہیں تم نے اپنے کاموں میں آئندہ نسلوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ جو بنیاد تم قائم کرو گے۔ آئندہ آنے والی نسلیں ایک حد تک اس بنیاد پر عمارت قائم کرنے پر مجبور ہوں گی۔ اگر تمہاری بنیاد ٹیڑھی ہوگی تو اس پر قائم کی گئی عمارت بھی ٹیڑھی ہوگی۔ اسلام کا مشہور فلسفی شاعر کہتا ہے کہ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

یعنی اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو اس پر کھڑی کی جانے والی عمارت اگر ثریا تک بھی جاتی ہے تو ٹیڑھی ہو جائے گی پس بوجہ اس کے کہ تم پاکستان کی خشت اول ہو تمہیں اس بات کا بڑی احتیاط سے خیال رکھنا چاہئے کہ تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی نہ ہو کیونکہ اگر تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی ہوگی تو پاکستان کی عمارت ثریا تک ٹیڑھی چلتی جائے گی۔

بیشک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا ہی شاندار بھی ہے۔ اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کر کے پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دو گے تو تمہارا نام اس عزت اور اس محبت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والے لوگوں میں نہیں پائی جائے گی۔

پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم، استقلال اور علو حوصلہ سے قدم مارو۔ قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزل اول بھی ہوتی ہے اور منزل دوم بھی ہوتی ہے منزل سوم بھی ہوتی ہے۔ لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی۔ ایک منزل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وہ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے سفر کو ختم نہیں کرنا چاہتے وہ اپنے رخت سفر کو کندھے سے اتارنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ ان کی منزل کا پہلا دور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں جو ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی صحیح خدمت کی داد دے سکتی ہے۔ پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! (-) ملک کی امید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا، خدا تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں“۔

(روزنامہ الفضل 13 اپریل 1950ء ص3)

اہم نوٹ: اس شمارے میں خالی صفحات پر اشتہارات ہیں۔

مکرم جاوید احمد جاوید صاحب

پیارے ملک پاکستان کو روشن تر بنانے کے لئے مشعل راہ

پاکستان کے استحکام و ترقی کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نہایت مفید تجاویز

بین الاقوامی تعلقات، ذرائع آبپاشی، سمندری حدود کی حفاظت اور معنوی دولت سے فائدہ اٹھانے کا طریق

14 اگست 1947ء وہ تاریخی دن ہے جب ہمارا ملک پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد وجود میں آیا۔ اس نئی مملکت کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور دنیا کے دیگر ملکوں کے شانہ بہ شانہ ترقی کرنے کے لئے ہر قسم کے ماہرین کی ضرورت تھی۔ اس موقعہ پر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی خداداد ذہانت سے اس نوزائیدہ مملکت کی مضبوطی اور ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے لئے حکومت وقت کو نہایت مفید تجاویز دیں۔ جو آج بھی اسی طرح مفید ہیں جس طرح کل تھیں اور انہیں مشعل راہ بنا کر روشن پاکستان کی تمنا پوری ہو سکتی ہے۔

جڑی بوٹیوں سے ادویات

ہمارے پیارے ملک میں قدرتی جڑی بوٹیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ جو ادویات کی تیاری کے کام آتی ہیں۔ ملک کی اس دولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ

"جڑی بوٹیاں کامل سائنٹفک تحقیقات سے محروم ہیں۔ اور ہزاروں ہزار مفید ادویہ اور کیمیاوی اجزاء ان میں مخفی پڑے ہوئے ہیں.......... اب پاکستان ایک آزاد ملک ہے اور اس کے لئے موقعہ ہے کہ اپنی نباتی دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔ اگر ایک محکمہ بنا دیا جائے جو جڑی بوٹیوں کے الکلائیڈ اور دوسرے کیمیاوی اجزاء دریافت کرے تو تھوڑے ہی عرصہ میں بیسیوں کئی دوائیں پاکستان میں ایجاد ہو جائیں گی جو دنیا کی ساری منڈیوں میں اچھی قیمت پر بک سکیں گی.......... بعض جڑی بوٹیاں طبی طور پر اتنی مفید ہیں کہ انگریزی دوائیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں.......... اگر الکلائیڈ اور دوسرے فعال اجزاء نکال لئے جائیں یا ایکسٹریکٹ بنائے جائیں تو یقیناً نہ صرف طب میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔ بلکہ پاکستان کی دولت میں بھی ایک عظیم اضافہ ہوگا۔"

(سوانح فضل عمر جلد چہارم ص296)

سوختنی لکڑی کی کثرت سے پیداوار

سوختنی لکڑی ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ اس کے مہیا کرنے کے لئے آپ نے ایک جامع سکیم حکومت کے سامنے رکھی۔ آپ نے فرمایا۔

"پاکستانی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ سوختنی لکڑی کثرت سے تمام دیہات اور قصبات میں مل سکے۔ اتنی کثرت سے کہ زمینداروں کو جلانے کے لئے اوپلوں کی ضرورت پیش نہ آئے۔ میرے نزدیک پاکستانی حکومت کو پانچ پانچ چھ چھ گاؤں کا ایک یونٹ بنا کر ان کی ایک پنچائت بنا دینی چاہئے۔ جو اقتصادی اور صحت انسانی کے قیام کی ضرورتوں کے مہیا کرنے کی ذمہ دار ہو۔ ان گاؤں کے درمیان ایک حصہ درختوں کے لگانے کے لئے مخصوص کر دیا جائے یہ درخت تعمیری کاموں کے لئے مخصوص ہوں.......... ہر گاؤں میں حکومت اتنے درخت سوختنی لکڑی کے لگوائے جو اس گاؤں کی ضرورت کو پورا کر سکیں اور ان پنچائتوں کا فرض ہو کہ وہ دیکھتی رہیں کہ ہر گاؤں مقررہ تعداد درخت کی لگاتا رہتا ہے۔ اگر یہ انتظام جاری کیا جائے تو یقیناً سوختنی لکڑی کا سوال حل ہو جائے گا۔ اور گوبر کھاد کے لئے بچ جائے گا۔ جس سے ملک کی زراعت کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ ہر ایسے قصبہ کے لئے جس کی آبادی دس ہزار سے زیادہ ہو قصبہ سے کچھ فاصلہ پر ڈسٹرکٹ بورڈوں کی نگرانی میں سوختنی لکڑی کی رکھیں بنوانی چاہئیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو جس طرح ڈسٹرکٹ بورڈ مقرر ہیں۔ اسی طرح ہر ضلع میں اس کی میونسپل کمیٹیوں کا ایک مشترکہ بورڈ ہونا چاہئے۔ جس کے سپرد اس کے رفاہ عام کے کام کی نگرانی ہو.......... پچاس ہزار سے اوپر کے جو شہر ہوں ان کے لئے سوختنی کے رکھ بنانا صوبہ داری حکومت کا فرض ہو.........."

(سوانح فضل عمر جلد چہارم ص293)

ذرائع آبپاشی کی حفاظت

پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ اور نہروں کا ایک بڑا انتظام یہاں جاری ہے۔ اور ان پر ملک کی زراعت کا زیادہ تر انحصار ہے۔ ان کی حفاظت اور ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے آپ نے بہت قیمتی تجاویز دیں۔ ان پر تبصرہ کرتے ہوئے اس وقت کے مشہور اخبار روزنامہ زمیندار نے تحریر کیا:۔

"مرزا صاحب نے زراعت کے سلسلہ میں ذرائع آب پاشی خصوصاً نہروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پچاس سال کے بعد نہروں کے خراب ہو جانے کے باعث پاکستان کی زراعت کو سخت خطرہ ہے اور اس خطرے کے تدارک کے لئے سائنس کے اصولوں پر کام کرنے کے لئے اتنی دولت کی ضرورت ہے اور اتنے اخراجات کا احتمال ہے بصورت موجودہ ہماری حکومت جن کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ لیکن بیرونی سلطنتوں خصوصاً امریکہ سے قرضہ لینا ہماری آزادی کے لئے زبردست خطرے کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اس کا علاج صرف یہ ہے کہ بیرونی کمپنیوں کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی مشروط اجازت دی جائے ان فرموں کو چالیس فیصدی حصے دیئے جائیں اور چالیس فیصدی حکومت پاکستان دے۔ باقی بیس فیصدی حصوں کے مالک پاکستان کے عوام ہوں اس سلسلہ میں فرموں سے یہ شرط بھی کی جائے کہ وہ ہمارے حصہ دار کو ساتھ ساتھ ٹریننگ دیں گے۔"

(زمیندار 10 دسمبر 1947ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد چہارم صفحہ 297)

معنوی دولت سے فائدہ اٹھانے کے طریق

پاکستان میں موجود ہر قسم کی دولت سے فائدہ اٹھانے کی طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے رہنمائی فرمائی۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت اہم دولت کی طرف حکومت وقت کو توجہ دلائی کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ آپ نے فرمایا:۔

"کسی ملک کی معنوی دولت ہی اس کی اصل قوت ہوا کرتی ہے۔ باقی سب چیزیں اس کے مقابل پر ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر پاکستان کا ہر نوجوان عقل سے کام لے، دماغ پر زور دے اور یہ اقرار کرے کہ میں نے اپنی تمام قوتیں ملک وملت کے لئے وقف کر دینی ہیں تو یقیناً ہماری ساری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں اور ہم ملک کا اتنا اچھا دفاع کر سکتے ہیں کہ توپیں اور ہوائی جہاز اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے۔"

(سوانح فضل عمر جلد چہارم ص298)

آپ نے اس معنوی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز بیان فرمائیں:۔

(1) "پاکستان میں ہر مسلمان کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ جاننا لازمی قرار دیا جائے۔ (2) مادری زبان میں تعلیم دی جائے اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان پر زور نہ دیا جائے کہ وہ ضرور اردو کو ذریعہ تعلیم بنائے ورنہ وہ پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہاں کے باشندوں کو بنگالی زبان سے ایک قسم کا عشق ہے۔ (3) اردو زبان کو لنگوا فرینکا قرار دیا جائے.......... غالب، مومن اور داغ کے گھرانوں میں جو اعلیٰ شیریں اردو رائج ہے۔ اس کے تحفظ کے لئے دہلی کے مہاجرین کی ایک علیحدہ بستی آباد کی جائے۔ ورنہ اب خاندان منتشر ہو رہے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ ان کی زبان ناپید ہو جائے گی۔"

(سوانح فضل عمر جلد چہارم ص299)

سمندری حدود کی حفاظت

سمندری حدود کی حفاظت کے لئے اور بین الاقوامی تعلقات کے حوالہ سے بھی آپ نے حکومت وقت کو مفید مشورے دیئے۔ بحریہ کے حوالہ سے آپ نے جہاں دفاعی سامان ضرورت کے مطابق خریدنے کا مشورہ دیا وہاں ضروری تربیتی اداروں کے قیام کی طرف بھی توجہ دلائی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

"بحری جہازوں میں کام کرنے کی ٹریننگ کے لئے کراچی میں دو سکول موجود ہیں۔ ایک چھوٹے بچوں کے لئے اور ایک نوجوانوں کے لئے لیکن تارپیڈو کا کام سکھلانے اور مکینیکل ٹریننگ کے لئے کوئی سکول موجود نہیں ہے۔ یہ سکول فوری طور پر قائم ہو جانے چاہئیں.......... تجارتی بیڑہ قائم کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام بحری تجارتی کمپنیاں غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں.......... مسلمان نوجوانوں کو بحری ملازمتیں کرنے اور سمندری سفر کرنے کا اپنے دلوں میں شوق پیدا کرنا چاہئے، پاکستان کی یونیورسٹی کو بحری ٹریننگ کے لئے کلبیں قائم کرنا چاہئیں کیونکہ در حقیقت بغیر سمندری طاقت کے صحیح معنوں میں آزادی مل ہی نہیں سکتی۔"

(سوانح فضل عمر جلد چہارم صفحہ 301)

بین الاقوامی تعلقات کی ضرورت

بین الاقوامی تعلقات کن ملکوں سے کیسے رکھے جائیں۔ یہ باب بھی ملکی بقا اور ترقی میں اہم کردار ادا

باقی صفحہ 8 پر

پبلشر و پرنٹر طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ مطبع ضیاء الاسلام پریس مقام اشاعت دار النصر غربی چناب نگر (ربوہ) قیمت -/8 روپے

شمع پاکستان کے سرفروش پروانوں کی خونچکاں داستانیں

ملی نہیں ہے ہمیں ارض پاک تحفہ میں
جو لاکھ دیپ بجھے ہیں تو یہ چراغ جلا

محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت

تحریک پاکستان کا ایک ادنیٰ ترین خادم

یہ عاجز تحریک پاکستان کا ایک ادنیٰ ترین خادم ہے۔ رب کریم کی دی ہوئی توفیق سے تحریک پاکستان اور قائداعظم سے متعلق جو لٹریچر میرے قلم سے نکلا ہے۔ سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کی ایک جھلک ''قائداعظم اکیڈمی'' کی تالیف ''قائداعظم محمد علی جناح کی توضیحی کتابیات'' جلد دوم السنہ شرقیہ 319 تا 321 میں دیکھی جاسکتی ہے اور غالباً اسی وجہ سے کیمبرج (انگلینڈ) کے مشہور عالم تحقیقاتی اور نشریاتی ادارہ انٹرنیشنل بائیو گرافیکل سنٹر (International Biographical Centre) کی طرف سے مجھے 93-1992ء کے ''انٹرنیشنل مین آف دی ایئر'' کے تحقیقاتی اعزاز سے نوازا گیا۔ جس سے محبّ وطن پاکستانی صحافت میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ اخبار جنگ لاہور (15 اپریل 1993ء) وطن عزیز شکارپور (22 اپریل 1993ء) روزنامہ جنگ کراچی (23 اپریل 1993ء) اور مشرق کراچی (26 اپریل 1993ء) نے خاص طور پر اس بین الاقوامی خبر کو خوب شہرت دی۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کا انقلاب آفریں پیغام

یہ عجیب اتفاق ہے کہ میری پیدائش پنڈی بھٹیاں (حال ضلع حافظ آباد) میں 30 شوال 1345ھ بمطابق 3 مئی 1927ء بروز منگل ہوئی۔ اسی روز اخبار الفضل قادیان نے 3 مئی کے شمارہ میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا یہ پیغام شائع کیا کہ خدمت دین مبین کے لئے اپنے دلوں میں سوز و گداز پیدا کرو۔ کلمہ حق کی حفاظت و اشاعت کے لئے بیدار ہو جاؤ۔ (ص 2،1) 1927ء ہی وہ تاریخی سال ہے جبکہ حضرت قائداعظم 20 مارچ کو مسلم زعماء کے اجتماع دہلی میں 24 نکات پیش فرمائے جو بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوئے۔

مسودہ قرارداد پاکستان کے خالق سے شرف نیاز

قرارداد پاکستان (23 مارچ 1940ء) کے وقت میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں حضرت مسیح موعود کے بعض اکابر رفقاء اور اپنے بزرگ اساتذہ سے فیضیاب ہو رہا تھا اور برصغیر بلکہ میرے دل میں دنیا بھر کے اہل حق سے محبت و خدمت کا بیج انہی کے طفیل بویا گیا۔ میں نے حضرت قائداعظم بانی پاکستان (ولادت 25 دسمبر 1876ء۔ وفات 11 ستمبر 1948ء) کی زیارت نہیں کی مگر حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب سے شرف نیاز و ملاقات حاصل ہے۔ جنہوں نے جدید تحقیق اور مستند دستاویز کی رو سے قرارداد پاکستان کا مسودہ تیار کیا

(حقائق از خان عبدالولی خاں مطبوعہ دیرباؤس پشاور روڈ راولپنڈی کینٹ اشاعت مارچ 1988ء)

یہ اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے کہ بقول زاہد حسین انجم:

''قیام پاکستان کے بعد حضرت قائداعظم نے انہیں مسئلہ فلسطین پر پاکستان کی نمائندگی میں قائد وفد نامزد کر کے اقوام متحدہ میں بھیجا جہاں مسئلہ فلسطین پر انہوں نے مدلل تقاریر کر کے عرب ممالک کے عوام کے دلوں میں پاکستان کے لئے ایک مقام پیدا کر دیا۔ ...... پاکستان بننے کے بعد پہلے وزیر خارجہ بنے''۔

(انسائیکلو پیڈیا قائداعظم ص 436،435 ناشر مقبول اکیڈمی لاہور 1997ء)

یہی نہیں قائداعظم نے اس آخری سرکاری دستاویز پر دستخط کئے جس میں اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سر محمد ظفراللہ خاں کو مکمل اختیارات دیئے گئے تھے۔ (ص 17)

قائداعظم کی سیاست کا طرۂ امتیاز

اور جیسا کہ آپ کے سوانح نگار جی الانا نے واضح لفظوں میں بتایا ہے کہ حضرت قائداعظم ''آئینی طریقوں سے تاج برطانیہ کے تحت ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری اور پاکستان چاہتے تھے ان کے نزدیک انڈین نیشنل کانفرنس کا نصب العین مسلمانوں کی ابدی غلامی اور ہندوراج کا قیام تھا اور اسی لئے آپ عدم تعاون اور ہجرت کی تحریک کے جس کے سربراہ گاندھی تھے۔ عمر بھر مخالف رہے اور یہی مسلک حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب اور جماعت احمدیہ کا تھا۔ اس صورت میں بلا مبالغہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ برصغیر کی جس مذہبی جماعت نے متحد و منظم اور قلبی جذبات کے ساتھ قائداعظم کے دوش بدوش جہاد تحریک پاکستان میں حصہ لیا وہ صرف اور صرف جماعت احمدیہ تھی۔

قائداعظم کے سیکرٹری سید مطلوب الحسن سید کا بیان ہے کہ قرارداد پاکستان کی منظوری کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے کہ میں نے حضرت قائداعظم کو یہ چشم دید واقعہ سنایا کہ ایک دس سالہ بچہ محمد علی روڈ (بمبئی) میں جا رہا تھا کہ اسے ٹھوکر لگی اور گر پڑا اور خون بہنے لگا۔ جسے دیکھ کر وہ رونے لگا۔ ایک مسلمان نوجوان گزر رہا تھا۔ اس نے اسے ملامت کی اور کہا مسلمان ہو کر ذرا خون بہہ جانے پر روتا ہے اس پیارے بچے نے جواب دیا میں اس لئے رو رہا ہوں کہ یہ خون میں نے پاکستان حاصل کرنے کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ یہ سن کر قائداعظم نے فرمایا:

''جب قوم کے بچوں کا یہ جوش و جذبہ ہے تو کوئی طاقت پاکستان کو بننے سے نہیں روک سکتی اگر ہمارے مخالفوں کو عقل آگئی اور ان کی نیتوں میں فتور نہ ہوا تو انشاء اللہ ایک قطرہ بھی بہنے کی نوبت نہیں آئے گی اور اگر انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا تو دونوں طرف سے خون بہے گا''۔

(گفتار و کردار قائداعظم ص 366 تالیف سعید راشد۔ ناشر سلطانہ فاؤنڈیشن اسلام آباد۔ اشاعت اکتوبر 1981ء)

قائداعظم کا بیان

قائداعظم کا یہ خیال ریڈکلف ایوارڈ (جولائی 1947ء) اور ہندو سکھ گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں حرف بحرف صحیح نکلا جبکہ مئی 1947ء میں سکھوں کی طرف سے بلدیو سنگھ نے مع نقشہ کے ایک خط کی تشہیر کی جس میں سکھوں کا مجوزہ صوبہ دکھایا گیا اس نقشے میں انبالہ جالندھر اور لاہور ڈویژن اور لائل پور یا منٹگمری شامل تھے۔ یہی نہیں سکھوں نے اس کی تکمیل کے لئے تمام گوردواروں اور سکھ ریاستوں میں زور شور سے اسلحہ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں سے انتقامی جنگ کے لئے سکھ والیان ریاست نے فسادیوں کو مسلح کر کے انہیں ترتیب دینا شروع کر دیا۔

(لارڈ ماؤنٹ بیٹن جناح اور پاکستان ص 251 جنرل شاہد حامد پرائیویٹ سیکرٹری فیلڈ مارشل آکنک لیک 47-1946ء کی ڈائری ص 251 ناشر جنگ پبلشرز۔ اشاعت اول اپریل 1988ء)

قائداعظم کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

سکھ اپنے ہوش میں نہیں ہیں اپنی بیوقوفی سے وہ اپنی کلہاڑی اپنے ہی پاؤں پر مار رہے ہیں اور دیکھو کہ جب ہندو اور مسلمان دو آزاد قومیں بن جائیں گی تو کیا ظہور میں آتا ہے جب ہندو ایک دفعہ اطمینان سے جم جائیں گے تو پھر وہ سکھوں کی خبر لیں گے اور تھوڑے ہی دنوں میں سکھوں کی ایک اہم جداگانہ اور بارسوخ جماعت کی حیثیت ختم ہو جائے گی پھر سکھ پچھتائیں گے لیکن اس وقت موقع ہاتھ سے نکل چکا (ہوگا)''۔

(قائداعظم جناح ص 387،386 مرتب مرزا ابوالحسن اصفہانی ناشر روٹا پرنٹ ایجنسی۔ بلاسس سٹریٹ طبع اول 1968ء)

قادیان سے دردمندانہ اپیل

بالکل یہی دردمندانہ اپیل حضرت مصلح موعود نے ایک مفصل مضمون میں سکھ جاتی سے کی جو الفضل قادیان نے 19 جون 1947ء کو ملک بھر میں شائع کی۔ علاوہ ازیں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک پُر درد اور پُر اخلاص مضمون ''خالصہ ہوشیار باش'' کے عنوان سے سپرد قلم فرمایا جو مسلم لیگ کے ترجمان ''پاکستان ٹائمز'' میں چھپا اور اخبار الفضل (9 مئی 1947ء) اور اخبار خادم پٹیالہ (16 جون 1947ء) نے اس کا ترجمہ شائع کیا اور بذریعہ پمفلٹ اردو انگریزی اور گورمکھی زبانوں میں بھی پنجاب کے طول و عرض میں وسیع پیمانہ پر پھیلایا گیا۔ جس پر سکھ اخبار ''شیر پنجاب'' لاہور نے 15 جون 1947ء ص 8،7 پر زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں جانے کیا یاد آیا

افسوس تسلسل کلام کی غرض سے میں اپنی افسردہ یادوں میں بہہ کر آگے چلا گیا اب مجھے ماضی کے جھروکوں سے چند ماہ پیچھے جانا ہوگا۔

انتخاب میں مسلم لیگ کی فتح

تاریخ پاکستان کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ مارچ 1946ء کے بین الصوبائی ملکی انتخابات بالخصوص متحدہ پنجاب اسمبلی کا انتخاب ایک فیصلہ کن انتخاب تھا جو سوا سال کے قلیل عرصہ میں ظہور پاکستان پر منتج ہوا۔

مرکزی انتخاب کی طرح پنجاب کے انتخاب میں بھی جماعت احمدیہ بالخصوص خواتین قادیان نے اپنے مقدس امام المصلح الموعود کے ارشاد پر جس والہانہ شان سے حصہ لیا اس کا اعتراف مولانا سید رئیس احمد جعفری، سردار شوکت حیات، مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی، جناب بہاء الحق قاسمی صاحب جیسے زعماء قوم نے بھی کیا علاوہ ازیں مجلس احرار اسلام قادیان کی طرف سے اپنے رسالہ ''مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی'' پر تبصرہ شائع کیا گیا جس میں حقائق کی بناء پر ثابت کیا کہ قائداعظم اور امام جماعت احمدیہ کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس لئے احمدی اور ان کے اکابر تحریک

پاکستان کی پُرجوش تائید کررہے ہیں۔ (کتابچہ کا عکس تاریخ احمدیت جلد دہم ص 290 مطبوعہ دسمبر 1969ء میں شائع شدہ ہے)

انتخاب میں جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم اے بانی احمدیہ مشن انگلستان جیسے تحریک پاکستان کے پُرجوش علمبردار کو تحصیل بٹالہ کا امیدوار نامزد کیا گیا جو فاتحانہ شان سے کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ یہی نہیں خدا کے فضل و کرم سے جہاں مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی کی پوری 30 نشستوں پر قبضہ کرلیا وہاں متحدہ پنجاب سے 79 مسلم نشستیں لے کر فتح مبین حاصل کی اور جملہ معاندین مسلم لیگ و پاکستان کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں (قائداعظم اوران کا عہد ص 567,566 از سید رئیس احمد جعفری ناشر مقبول اکیڈمی لاہور طبع اول 1946ء طبع دوم 1991ء)

آغاز 1946ء میں ہی تحریک پاکستان کے علمبردار (حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال) کی انتخابی مہم کے لئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی سربراہی میں ایک خصوصی دفتر آپ ہی کے مبارک مکان میں قائم کر دیا گیا جس میں محترم عبدالرحیم صاحب پراچہ اور خاکسار کو بھی خدمت بجالانے کی سعادت ملی۔ میری عمر اس وقت 19 سال تھی اور میں ان دنوں درجہ جامعہ احمدیہ میں داخل تھا اور امتحان مولوی فاضل کی تیاری کررہا تھا۔

قیام پاکستان پر قادیان میں جشن

14 راگست 1947ء کو ہمارے محبوب اور خداداد ملک پاکستان کا ستارہ پوری آب و تاب سے طلوع ہوا تو پوری جماعت احمدیہ میں خوشی کی برقی لہر دوڑ گئی۔ خصوصاً قادیان دارالامان میں اس روز یوم آزادی کی شاندار تقریبات منعقد ہوئیں۔ قادیان کی سرکاری عمارتوں ایکسچینج آفس اور پولیس چوکی وغیرہ اداروں پر ولولۂ ذوق وشوق سے پاکستان کا پیارا جھنڈا لہرایا گیا اور اسے سلامی دی گئی نیز غرباء میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور رات کو پورا شہر چراغاں سے بقعہ نور بن گیا۔ اگلے روز نماز جمعہ کے بعد حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال (ایم ایل اے) کی صدارت میں جلسہ عام ہوا جس میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ ناظر امور عامہ اور صاحب صدر نے تقاریر فرمائیں اور آزادی کے بعد اہل پاکستان کو ان کی ملکی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی (الفضل 16 راگست 1947ء ص 2)

فیصلہ ریڈکلف اور فسادات

قیام پاکستان پر قادیان میں جشن کا سماں تھا مگر یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی اور 17 راگست 1947ء کو نئی دہلی سے پنجاب کے حد بندی کمیشن نے گورداسپور کی تحصیل شکر گڑھ کے علاوہ بٹالہ، گورداسپور اور پٹھانکوٹ کی تحصیلیں ریڈکلف کی شرارت سے ہندوستان کی جھولی میں ڈال دی گئیں اور ساتھ ہی پورا ملک ہولناک فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ مجھے اس حشر انگیز سانحہ کا علم اگلے روز 18 راگست کو احمدیہ چوک قادیان میں روزنامہ الفضل کے تازہ ایشو کے صفحہ 4 کو پڑھ کر ہوا اور پڑھتے ہی گویا قلب وروح پر قیامت ٹوٹ پڑی مگر چوک سے گزرنے والے ہر سکھ اور ہندو کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے مجھے یاد ہے کہ محض سکھوں نے پہلی بار 18 راگست کا شمارہ الفضل خریدا تا دوسروں کو یہ خوشخبری سنا سکیں۔ دوسری طرف میرا نحیف ونزار جسم مستقبل کی خونریزیوں کا تصور کرکے کانپ اٹھا۔ ؎

صحرا کی گرد ہو گی کفن مجھ غریب کا
اٹھ کے بگولے میرا جنازہ اٹھائیں گے

اس فیصلہ کے بعد مشرقی پنجاب کے کلمہ گوؤں خصوصاً قادیان پر کیا بیتی اس کی تفصیل میں نے مستند ذرائع سے تاریخ احمد جلد 11 میں محفوظ کردی ہے۔ تحریک پاکستان کی تائید کی پاداش میں کس طرح قادیان میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ سکھوں کا حضرت مصلح موعود اور حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں کی کوٹھیوں پر حملہ آور کرپانوں کو لہرانے والا جتھہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ 3 راکتوبر کو جب مرکز احمدیت پر منظّم اور خونریز حملہ ہوا میں اپنے رفقاء جامعہ کے ساتھ دارالانوار میں تھا۔ ماحول قادیان کے کم و بیش 75 ہزار مظلوم مسلمان پناہ گزینوں کے دلدوز مناظر کا تصور کرکے اب بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ نونہالان احمدیت کی اپنے مظلوم بھائیوں کی شب وروز خدمات پاکستانی پریس نے بھی ہمیشہ کے لئے ریکارڈ کردی ہیں۔ میں ریڈکلف فیصلہ کے تین ماہ بعد تک قادیان میں مقیم رہا اور 10 نومبر 1947ء کو جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ وطلباء کے ساتھ ہجرت کرکے پاکستان پہنچا۔ راستہ میں امرتسر سے لاہور کی سڑک کے دونوں طرف خونخوار درندوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں دیکھ کر دل خون ہوگیا۔ اب حالت یہ ہے کہ جب بھی یہ دلدوز مناظر یاد آتے ہیں۔ نوک زبان پر ملت کے شیدائی حضرت مصلح موعود کے یہ دردناک شعر جاری ہوجاتے۔ ؎

اے بے یاروں کے یار نگاہ لطف غریب مسلماں پر
اس بے چارے کا ہندوستان میں اب کوئی بھی یار نہیں
تو ہندوستان میں روتا ہے میں پاکستان میں کڑھتا ہوں
ہے میرا دل بھی زار فقط تیرا ہی حال زار نہیں
آ گر جائیں ہم سجدہ میں اور سجادوں کو تر کر دیں
اللہ کے در پر سر پٹکیں جس سا کوئی دربار نہیں

ایک سکھ یاتری کا انٹرویو

امرتسر کے نامور مسلم لیگی لیڈر اس دور کی آنسوؤں آہوں اور خون میں ڈوبی سرگزشت بیان کرتے ہیں کہ

''خون مسلم کی ارزانی کا یہ عالم تھا کہ بھارت سے پاکستان آنے والا کوئی پیدل قافلہ یا سپیشل ٹرین صحیح سلامت لاہور نہیں پہنچتی تھی۔ علاوہ ازیں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا جارہا تھا اور مسلم دوشیزاؤں کے ننگے جلوس نکال کر انہیں کلمہ گوئی اور پاکستان کا مطالبہ کرنے کے جرم کی سزائیں دی جارہی تھیں۔ ہزاروں مسلمان دوشیزائیں ہندو سکھ غنڈوں نے مال غنیمت سمجھ کر تاش کے پتوں کی طرح آپس میں بانٹ لیں اور ایک ایک مغویہ کے ساتھ شراب کے نشے میں دھت ہوکر ان درندوں نے جو وحشیانہ سلوک کیا اس کا تصور کرتے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

لاہور کے روزنامہ آفاق نے 2 ستمبر 1979ء کے شمارے میں ''لاہور سے لاہور تک'' کے عنوان کے تحت ننکانہ صاحب کے مقام بابا گورونانک کے استھان پر ہندوستان سے آنے والے ایک سکھ یاتری کا انٹرویو بالاقساط شائع کیا جس میں وہ زود پشیمان سکھ اپنے گھناؤنے جرائم کا اقرار کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ''میں بابا گورونانک کے استھان پر پاکستان آیا ہوا ہوں اور ابھی پاکستان میں مقیم ہوں۔ میں بھی تقسیم کے وقت کا ایک کردار ہوں۔ میں ضلع امرتسر کے ایک گاؤں سٹھالہ کا رہنے والا ہوں۔ جن دنوں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی۔ میں نوجوان تھا۔ ابھی نئی نئی مسیں بھیگی تھیں۔ جوانی کا جوش تھا۔ ہندوؤں نے ہمیں ان دنوں ایک نعرہ دیا تھا۔ رنگے اور مودے کے مظالم کا بدلہ لے لو۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ اورنگ زیب نے سکھوں پر اور محمود غزنوی نے ہندوؤں پر بہت ظلم کئے ہیں۔ ان کا بدلہ لینے کا وقت آگیا ہے اور پھر کیا تھا ہم وحشی بن گئے۔ انسانیت کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ حیوانیت اور بہیمیت ہمارے دماغوں پر مسلط ہوگئی۔ درندگی کے عالم میں قتل وغارت، ماردھاڑ، بے کسوں کی چیخیں، مظلوموں کی آہیں اور بچوں کی فریادیں کوئی چیز ہمیں پگھلا نہ سکی۔ ہم نے مسلمانوں کو خوب لوٹا۔ ان کے نہتے قافلوں پر حملے کرکے جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کو قتل کرکے ہم ان کی نوجوان بیٹیاں اٹھا لیتے اور دادعیش دیتے۔

گرو معاف کرے ہم اس وقت وحشی بن گئے تھے۔ ہم دس دس سکھوں نے بیک وقت ایک ایک مظلوم لڑکی کو بے آبرو کیا۔ ہمیں اس وقت تخریب اور درندگی کے سوا کچھ نہ سوجھتا تھا۔ ہم نے معصوم اور مظلوم بچوں کو کرپانوں کی نوک پر اٹھا اٹھا کر مارا۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ کر انہیں کہتے۔ یہ تمہارا پاکستان ہے۔ نوجوان عورتوں کو چھانٹ کر الگ کرلیتے اور باقی بچوں، بوڑھوں اور بوڑھی عورتوں کو گھروں میں بند کرکے آگ لگا دیتے۔ جب انسانی جسم جلتے تو ہمیں کئی بوتلوں کا نشہ ہوتا۔ ہم قہقہے لگاتے اور اتنا بھنگڑا ڈالتے کہ ہمارے کیس (یعنی بال) کھل کر رہ جاتے اور پھر نوجوان لڑکیوں کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلتے۔ بکروں کا جھٹکا کرتے۔ شراب پیتے اور پھر ان کھلی سرمستیوں کی کہانی کا باب کھل جاتا۔ میں کیا بتاؤں میاں جی۔ ہم بالکل اندھے ہوگئے تھے اور انسانیت کا آخری احساس بھی مٹ چکا تھا''۔

(''جب امرتسر جل رہا تھا'' ص 197,196 اشاعت اول اگست 1980ء۔ ناشر مجیب الرحمٰن شامی)

ایک بار حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے 1947ء کا خصوصی ریکارڈ تاریخ مرتب کرنے کے لئے ناچیز کو دکھلایا تو اس میں امرتسر سے آمدہ یہ رپورٹ بھی دیکھنے میں آئی کہ گولڈن ٹمپل میں متفقہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ قادیان کے کسی احمدی کو زندہ پاکستان نہ جانے دیا جائے کیونکہ ان لوگوں نے قیام پاکستان میں سردھڑ کی بازی لگادی تھی۔

پاکستان کے مستند سرکاری ادارہ کی قادیان سے متعلق رپورٹ

قیام پاکستان کے اوائل میں ادارہ رابطہ قرآن دفاتر محاسبات نے اپنے رپورٹر ملک حمید علی کے حوالہ سے حسب ذیل رپورٹ شائع کی۔

فسادات کا اثر قادیان پر

گزشتہ فسادات میں یوں تو تمام مہاجرین کو مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن خصوصیت سے ایسے علاقے جو وائسرائے ہند کے اولین اعلان کے مطابق پاکستان میں شامل قرار دیئے گئے تھے لیکن ملک کی آخری حد بندی کے وقت Other Factors کے ماتحت آکر ہندوستانی ڈومینین کا حصہ قرار پائے۔ چنانچہ ایسے علاقوں میں ضلع گورداسپور بھی شامل ہے۔ یہ ضلع ایک طرف ہندوستان کے ساتھ ملحق ہے تو دوسری طرف کشمیر کو ہندوستان سے ملاتا ہے۔ اولین اعلان کے مطابق اس ضلع کے باشندگان نے مملکت پاکستان کے قیام پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے چراغاں کیا اور پرچم لہرایا۔ لیکن عیدالفطر کے دن ان کی تمام خوشی خاک میں مل گئی۔ جبکہ یہ ضلع انگریز ڈپلومیسی کا شکار بن کر ہندوستان کے ساتھ شامل کردیا گیا۔ حد بندی کا اعلان ہونے کے بعد ہندوستانی غنڈے جن میں سکھ بدمعاش کثرت سے شامل تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور پرامن مسلمان آبادی پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے اموال لوٹ لئے۔ ان کی عورتوں کے ناموس پر حملہ کیا اور ان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ ضلع گورداسپور کی سب سے بڑی تحصیل بٹالہ ہے۔ جس کی آبادی ضلع کی دوسری تمام تحصیلوں کے برابر ہے۔ یہاں کی مسلم آبادی کا تناسب 55 فیصد تھا۔ اس تحصیل کے صدر مقام یعنی بٹالہ کو چھوڑ کر دوسرے نمبر پر قادیاں ایک بڑا قصبہ ہے۔ جہاں کی آبادی اٹھارہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ مقام علاوہ اپنی صنعتی اور تجارتی شہرت کے جماعت احمدیہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کے گردونواح میں تمام تر سکھوں کی آبادی ہے۔ چنانچہ فسادات کے ایام میں بیس بیس میل دور کے مسلمان بھی قادیان شریف میں پناہ لینے کے لئے آگئے۔ یہ تعداد بڑھتے بڑھتے 75 ہزار نفوس تک پہنچ

گئی۔ چونکہ ان پناہ گزینوں کو ظالم اور سفاک سکھوں نے بالکل مفلس اور قلاش کر دیا تھا۔ لہٰذا قادیان کے باشندگان نے ان بیچاروں کی کفالت کا بیڑا اٹھایا۔ ظاہر ہے اتنی بڑی جمعیت کے لئے خوراک اور رہائش کا بار اٹھانا کوئی معمولی کام نہیں ہے اور خصوصاً ایسے ایام میں جبکہ ضروریات زندگی کی اتنی گرانی ہو۔ چنانچہ یہ ناخواندہ مہمان قادیان کی کفالت میں اس وقت تک رہے جب تک حکومت نے عمداً ان کو ایسا کرنے سے روک نہ دیا۔ یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک جاری رہا۔ قادیان سے واقف اصحاب اس کی صفائی اور نفاست تعمیر سے کما حقہ آگاہ ہوں گے۔ لیکن پناہ گزینوں کی کثرت سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میدان حشر ہے۔ جس وقت سکھ بدمعاشوں نے ایک ایک کر کے تمام نواحی گاؤں مسلمانوں سے خالی کرا لئے۔ تو اب انہوں نے قادیان کی طرف بھی رجوع کیا۔ فسادات سے چند ماہ پیشتر قادیان کے چاروں طرف ایک فصیل بنا دی گئی تھی اور ہر طرف مناسب جگہوں پر حفاظتی چوکیاں قائم کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ بعض چوکیوں پر بدمعاش سکھوں سے باقاعدہ مقابلہ ہوا جن میں انہوں نے منہ کی کھائی۔ چونکہ اس ہندوستان گیر سازش میں حکومت وقت بھی شامل تھی اس لئے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سکھ آہستہ آہستہ تمام اطراف سے بڑھتے گئے اور قادیان والے اب شہر کی چار دیواری سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ یہ دباؤ دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ چنانچہ مقامی حکومت نے اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ شام ساڑھے پانچ بجے سے کرفیو لگا دیا جاتا تھا اور غیر مسلموں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ جہاں چاہیں پھریں اور کسی مسلمان کو دیکھ پائیں تو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ کرفیو کے اوقات میں مسلمانوں کے املاک کو لوٹا گیا اور شہریوں کو بلاوجہ کرفیو کی خلاف ورزی کی پاداش میں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ مقامی پولیس کے ایک سکھ اسسٹنٹ سب انسپکٹر کو تمام اختیارات سونپ دیئے گئے۔ چنانچہ اب کرفیو کا لگانا اور کسی مسلمان کو پکڑ بلانا اس کی مرضی پر موقوف ہو گیا۔ یہ اعلان بذریعہ منادی کرا دیا گیا کہ مقامی لوگ اپنا اپنا لائسنس یافتہ اسلحہ پولیس سٹیشن میں جمع کرا دیں۔ ورنہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مہاجرین کو بھوکا مارنے کے لئے اعلان کر دیا کہ ہر ایک مقامی شخص صرف ایک من غلہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے اس مقدار سے فاضل غلہ گورنمنٹ کے پاس جمع کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اس حکم کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں بہت سے شہریوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ ان مظالم کے باوجود قادیان والے اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ حکومت چاہتی تھی کہ یہ لوگ اپنی بستیوں کو خالی کر دیں۔ اس لئے مقامی پولیس اور ملٹری نے یہ چال چلی کہ بہت سے دیہاتی سکھوں کو جعلی طور پر پولیس اور ملٹری کا لباس پہنا دیا گیا اور تمام شہر میں ان لوگوں نے خانہ بخانہ جا کر مویشیوں کو کھول لیا اور اس بہانہ ان کو بھگا کر لے گئے کہ قادیان میں چارہ کی کمی ہے۔ چنانچہ ایک دن میں لاکھوں روپے کے مویشی لوٹ لئے گئے۔ علاوہ ازیں الیکٹرک کو عمداً فیل کر کے اندھیرے میں لوگوں کے گھروں کو لوٹا گیا۔ لیکن اس پر بھی لوگوں نے کوئی گھبراہٹ محسوس نہ کی اور اپنے ''مرکز'' کو چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے۔ تو مقامی پولیس نے دیہاتی سکھوں میں اسلحہ تقسیم کیا اور ان کو مجبور کیا کہ قادیان پر چاروں طرف سے حملہ کرو۔ ورنہ تم کو مارا جاوے گا۔ یہ لوگ چاروناچار حملہ آور ہوئے۔ ان میں بہت سے آدمی فوجی تربیت یافتہ بھی تھے۔ جن کو سفید کپڑوں میں ملبوس رکھا گیا تھا۔ یہ ہی اس جتھہ کی قیادت کر رہے تھے۔ قادیان کی جنوبی سمت سے ان لوگوں نے حملہ کر دیا۔ دیہات کے لوگ چونکہ اس قسم کے حملہ سے واقف نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر بکھرنا شروع کر دیا۔ جو نوجوان باقاعدہ مقابلے کے لئے نکلے۔ انہوں نے پورے آلات حرب سے ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن حکومت کا مقابلہ کوئی آسان کام نہیں۔ اس لئے جب حکومت کے کارندے درمیان میں آ گئے اور ہمارے...... بھائیوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ خود حفاظتی تدابیر سے دست کشی کر لیں۔ تو مجبوراً تاب مقابلہ کے باوجود ہاتھ روکنا پڑا۔ جب جوابی کارروائی رک گئی تو شیطانوں کے لشکر کے لشکر آبادی میں گھس آئے۔ انہوں نے کوشش کی کہ ہماری خواتین پر دست درازی کریں۔ ہم نے خواتین، بچوں، ضعیفوں کو مقامی تعلیم الاسلام کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں لا کر جمع کر دیا اور باہر خود پہرہ دیتے رہے۔ کثیر تعداد جمع ہو جانے کے باعث بورڈنگ جو ایک وسیع جگہ تھی تنگ ہو رہی تھی۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ راشن لوگوں کے پاس نہیں رہا تھا۔ اگر کسی کے پاس گندم تھی تو وہ چکی تو نہ چبائی جا سکتی تھی۔ چنانچہ قہر درویش برجان درویش بورڈنگ ہاؤس کے فرنیچر کو جلا جلا کر گندم کو ابال ابال کر گزارہ کیا گیا۔ چونکہ ابھی تک محصورین کو پاکستان بھجوانے کا انتظام نہ ہو سکا تھا اس لئے مصیبت دس بارہ روز تک جھیلنا پڑی۔ اس دوران میں حکومت کا آرڈر رہا کہ جو لوگ پاکستان جانا چاہیں وہ تیار رہیں۔ اس حکم میں جو چیز درپردہ تھی وہ سمجھدار لوگوں سے پوشیدہ نہ تھی۔ لیکن مضافات کے پناہ گیر مسلمان اس فریب میں آ گئے اور تیس پینتیس ہزار افراد پر مشتمل ایک قافلہ ہندوستانی ملٹری کی حفاظت میں چل کھڑا ہوا۔ پانچ چھ میل ادھر تک یہ ملٹری اس قافلہ کے ساتھ گئی۔ لیکن بعد میں انہوں نے قافلہ سے کہہ دیا کہ اب تم خود ہی جاؤ۔ چنانچہ قافلہ بے یارومددگار آگے بڑھا۔ لیکن آگے خونخوار بھیڑیئے گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ قافلہ والوں سے کہا گیا کہ جو کچھ سامان ان کے پاس ہے وہ زمین پر رکھ دیا جائے۔ اس کے بعد نوجوان عورتوں کو بھگا لے جایا گیا۔ معمر عورتوں اور مردوں کو قتل کیا گیا۔ اس کے بعد جو مصیبت زدہ بچ گئے ان کو پاکستان کی طرف دھکیلا گیا۔

(کاروان سخت جان ص142 تا148)

معرکہ پکیوان ضلع گورداسپور

جناب مرتضیٰ احمد خاں صاحب میکش (مدیر احسان و زمیندار) نے اپنی محققانہ تالیف ''اخراج اسلام از ہند'' کے ص297 سے 301 صفحہ میں ضلع گورداسپور کے دیہات کے زیر عنوان ایک مہاجر محمد مقصود عالم صاحب کا حسب ذیل بیان شائع کیا۔ (یہ کتاب انہی دنوں تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور نے چھپوائی تھی)۔

پکیوان اور اس کے گردونواح کے دس بارہ دیہات کی فضا پرُامن رہی۔ ان دیہات کے سرکردہ لوگوں نے امن کمیٹیاں بنا رکھی تھیں۔ پکیوان کے چودھری محمد ابراہیم صدر مسلم لیگ ہندو مسلم اتحاد قائم رکھنے کے لئے سرگرم کار رہتے تھے۔

16 راگست کو اعلان ہوا کہ حد بندی کے کمیشن نے 18 جون والی تقسیم بحال رکھی ہے اور گورداسپور کا سارا ضلع پاکستان ہی میں شامل رہے گا۔ اس اعلان کے باعث ہندوؤں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ چودھری محمد ابراہیم نے اپنے علاقہ میں امن قائم رکھا۔ ہندوؤں کو تسلیاں دیں اور ہندو اتنے خوش ہوئے کہ چودھری صاحب کو مبارکباد کہنے لگے۔

17 راگست کی شام کو اعلان ہوا کہ ضلع گورداسپور کی تین تحصیلیں کاٹ کر ہندوستان میں شامل کر دی گئی ہیں۔ اس اعلان نے مسلمانوں کو افسردہ خاطر کر دیا۔ ان کی امیدوں کا خون ہو گیا وہ صبر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہے۔

18 جون کو دن کے ڈھائی بجے ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ جس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنا تھا لیکن ایک ہندو نے کھڑے ہو کر ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکایا۔ ادھر سے مسلمان مقرروں نے بھی جوابی تقریریں کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہندوؤں نے تعدی کی تو مسلمان بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ مسلمانوں نے اس جلسہ کی باتوں کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن ہندو حملہ کی طیاریاں کرنے لگے۔ انہوں نے چپکے چپکے کلانور کے تھانہ دار رام گوپال کھتری کو پولیس اور فوج بھیجنے کے لئے پیغام بھیج دیا۔ مسلمان بےخبر رہے۔

21 جون کو نماز عصر کے وقت پکیوان کے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا گیا۔ سب سے پہلے فوج اور پولیس نے چودھری محمد ابراہیم کے مکان پر حملہ کیا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے ہندوؤں کے مکانوں پر ہلہ بول دیا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ اطراف و جوانب سے سکھوں کے جتھے جوق در جوق آنے لگے جو آتشیں اسلحہ سے مسلح تھے۔ مسلمان گولیوں کی تاب نہ لا کر پسپا ہوئے۔ سکھوں نے گاؤں میں داخل ہو کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ گھروں کو آگ لگا دی۔ بچوں کو اٹھا اٹھا کر جلتی آگ میں پھینکا۔ عورتوں کی سخت بے حرمتی کی۔ رام گوپال نے 25 کنستر مٹی کا تیل جو کہ ڈپو میں تقسیم کرنے کے لئے پڑا تھا۔ سکھوں کو دے دیا تا کہ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا سکیں۔

چودھری محمد ابراہیم گاؤں سے باہر کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب گاؤں سے چیخ و پکار کی صدائیں اٹھیں تو گاؤں کی طرف دوڑے۔ اپنے گھر سے تھوڑے فاصلہ پر پہنچ کر آپ نے ہندوؤں کو للکارا کہ یہ کیا طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے۔ سکھوں نے چودھری صاحب کو گھیرے میں لے لیا۔ چودھری صاحب نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے لڑ رہے تھے۔ سکھ ان پر تلواروں اور برچھیوں سے وار کر رہے تھے۔ ایک گھنٹہ کی جنگ کے بعد اسلام کے اس بہادر فرزند نے شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔

سکھوں نے دین محمد موذن، عنایت اللہ احمدی، چودھری لال الدین، جھنڈے خاں نمبردار، میاں علی محمد اور چالیس کے قریب گاؤں کے دیگر افراد کو کمال بے رحمی سے قتل کیا۔ گاؤں کے مسلمان مرد، عورتیں اور بچے اس حملہ کے بعد گھروں سے نکلے کچھ تو دریائے راوی کی طرف چلے گئے جو کچھ کلانور کی راہ سے صد ہا قسم کے مصائب و آلام کا مقابلہ کرتے ہوئے جنڑ ریلوے سٹیشن کی طرف چلے گئے پکھوان پر حملہ ہوا تو گردونواح کے دیہات بھی خالی ہونے لگے اور پتن ڈیرہ ملک پر مسلمان پناہ جو ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔

مسلمانوں کے اس ہجوم پر ملٹری نے حملہ کر دیا اور گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ سینکڑوں آدمی گولیاں کھا کھا کر خاک وخون میں لوٹنے لگے۔ ہزاروں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور ڈوبنے لگے۔ دریا لاشوں سے اٹ گیا۔ پانی شہیدوں کے خون سے رنگین نظر آنے لگا۔ مسلمان مولی گاجر کی طرح کٹ رہے تھے۔ بچوں اور عورتوں کی چیخ پکار نے محشر کا سا نقشہ پیدا کر دیا تھا۔ اس عالم میں کچھ لوگ جانوروں کی دموں کا سہارا لے کر دریا کو عبور کر سکے۔ سب کے سب اتنے خوفزدہ تھے کہ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

پکیوان کے کچھ لوگوں نے ہندوؤں کے گھروں میں پناہ لی تھی۔ ان پناہ گیروں کا سامان ہتھیا لیا گیا۔ عورتوں کے زیور اتار لئے گئے ان میں سے کئی ایک سے انتہا درجہ کی بدسلوکی بھی کی گئی۔ آخر ان سب کو دریا کے کنارے پر لایا گیا اور کہا گیا کہ دیکھو وہ دریا کے پار پاکستان ہے کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو۔ یہ کہتے تھے اور تلوار یا برچھا مار کر مسلمان کو ہلاک کر دیتے تھے کہ لو اس طرح تم جلدی پاکستان پہنچ جاؤ گے۔

تحصیل زیرہ سے متعلق جناب ثاقب زیروی کا لرزہ خیز بیان

اسی کتاب میں میکش کے قلم سے جناب ثاقب زیروی کا ہجرت سے متعلق حسب ذیل لرزہ خیز بیان بھی منقول ہے لکھا ہے۔

جناب محمد صدیق صاحب ثاقب کا ایک بیان روزنامہ ''انقلاب'' مورخہ 6 ستمبر میں شائع ہوا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

پندرہ اگست تک ریاست فرید کوٹ کے فوجی دستے۔رتن سنگھ لوہکڈھیہ ایم۔ایل۔اے کی جعلی ملٹری اور پولیس، مشرقی پنجاب کی باقاعدہ پولیس اور ڈوگرا فوج موگے سے مسلمانوں کا خاتمہ کر چکی تھی۔یہی وہ دن تھا جس دن موگا کے چودھری عبدالعزیز مجسٹریٹ کو گولی مار کر شہید کیا گیا۔

پندرہ اگست کی رات کو زیرہ تھانے کے تھانیدار صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ فرید کوٹ ریاست کے بعض ملازم زیرے میں بھی وارد ہوئے ہیں اور امرتسر میں مسلم پولیس کو بے ہتھیار کر کے گولیوں سے اڑایا گیا ہے۔موگے میں مجسٹریٹ کے علاوہ ایک تھانیدار اور دو سپاہیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔یہ حالات سن کر تھانیدار صاحب نے ارادہ کر لیا کہ وہ اسی دن تھانے کے مسلمان عملہ کو لے کر چارج دیئے بغیر نکل جائیں۔میں ان کے مشورے سے اگلے دن زندگی کو خطرے میں ڈال کر چھپ چھپا کر، اونٹ پر سوار ہو کر فیروز پور پہنچا۔وہاں ڈاکٹر نذیر اور سٹی مسلم لیگ کے صدر سعادت نواز خان سے ملا۔انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں ہیں۔نواب صاحب ممدوٹ نے خاص طور پر انہیں اس بات کی اطلاع دی اور مجھے رہنے کی تلقین کی ہے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلم لیگی زعما فیروز پور اور زیرہ میں وارد ہو کر تمام انتظامات ٹھیک ٹھاک کر دیں گے۔

میں اس روز بڑی مشکل سے گھر پہنچا۔لدھیانہ اور جالندھر لائین کی گاڑیاں بند ہو چکی تھیں اور زیرے سے دس میل دور تلونڈی بھائی کے مسلمانوں پر حملہ ہو چکا تھا۔اس حملے میں تلونڈی اور اردگرد کے دیہات کے دو تین ہزار مسلمانوں میں سے بمشکل چند سو افراد جان بچا کر زیرے پہنچے۔میں نے یہ ساری کہانی تھانیدار صاحب سے بیان کی وہ اگلے دن اپنے مسلمان عملہ سمیت سکھو کی طرف روانہ ہو گئے۔

تلونڈی کے بعد سوڈھیوالہ، جوئیاں، سکھواں، پنڈوری جٹاں، سیتاں اور دیگر مسلم دیہات پر حملے ہوئے۔بعض دیہات سے تو ایک بچہ بھی بچ کر نکل نہ سکا۔سکھ، نوجوان اور پاکیزہ دوشیزاؤں کو اٹھا اٹھا کر لے گئے۔

19 راگست کو ایک سکھ تھانیدار زیرہ میں وارد ہوا۔اس کے ہمراہ تیس سپاہی تھے جو تمام کے تمام چوہڑے اور باؤریئے معلوم ہوتے تھے۔یہ سپاہی فوج سے نکلے ہوئے یا بھاگے ہوئے تھے۔ان میں سے ہر ایک کے پاس نمبر 303 کی رائفل تھی۔ملیشیا کے پاجامے اور قمیصیں پہنے تھے۔ان کی قمیص کی کمر پر سیاہ چوکور نشان لگا ہوا تھا۔ان کے چہروں اور آنکھوں سے غیظ و غضب کے شعلے نکل رہے تھے وہ سب کے سب خونی دکھائی دیتے تھے۔ان کی آمد پر زیرے کے لوگ محسوس کرنے لگے کہ اب زیرہ پر بھی حملہ ہو کر رہے گا۔

میں اس تھانے دار کی آمد کے دو گھنٹے بعد میونسپل کمیٹی کے پریذیڈنٹ اور امن کمیٹی کے صدر سردار چنن سنگھ کی معیت میں تھانیدار کے پاس گیا۔اس وقت اس کے پاس زیرہ تحصیل کے سکھ بدمعاش جمع تھے جن میں سے بوڑ سنگھ سنتو والہ، بلا سنگھ گاڈیوال والہ اور لال سنگھ ڈھنڈیاں والہ قابل ذکر ہیں۔میں نے اور سردار چنن سنگھ نے تھانیدار سے امن کے متعلق بات چیت کی۔تھانیدار نے جواب دیا۔انسان کے بس میں کیا ہے۔سکھوں سے ناانصافی ہوئی ہے۔مسلمان کو پاکستان مل گیا ہے۔ہندوؤں کو ہندوستان مل گیا ہے۔سکھوں کو کچھ بھی نہیں ملا اس کے پاس تو صرف گنڈاسا اور برچھا ہے انہی کے بل پر وہ اپنے لئے کوئی راہ نکال لے گا۔جذبات اس قدر بھڑک چکے ہیں کہ ان کا انسداد دشوار ہے یہ جواب لے کر ہم واپس آگئے۔

راستے میں ہمیں ایک گھڑ سوار سکھ ملا جو تھانہ میں اطلاع دینے کے لئے جا رہا تھا کہ نیلے والے کے مسلمانوں نے سکھوں پر حملہ کر دیا ہے۔میں اور سردار چنن سنگھ یہ بات سن کر بہت حیران ہوئے کیونکہ نیلے والا ایک ایسا گاؤں تھا جس میں سکھ اور مسلمان برابر کی چوٹ تھے اور اردگرد کے مسلمان دیہات خالی ہو چکے تھے۔اطلاع ملنے پر تھانیدار اپنی جمعیت کو لاریوں پر بٹھا کر نیلے والے کی طرف روانہ ہو گیا۔آدھی رات کے قریب نیلے والے سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دینے لگے۔صبح سویرے ایک پٹواری میرے پاس بھاگا بھاگا آیا کہ رات فوج اور پولیس نے اکالیوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ نیلے والے پر ہلہ بول دیا تھا۔تین سو مسلمان موقع پر بری طرح ذبح کر دیئے گئے۔پچیس چھبیس مسلمان بمشکل جان بچا کر نکلے۔مسلمان لڑکیوں اور جوان عورتوں کی ایک لاری بھر کر موگے بھیج دی گئی۔

سکھ مسلمانوں کے دیہات کو تاراج کرنے کے لئے ایک منظم سکیم پر عمل کر رہے تھے۔ایک جتھا رتن سنگھ ایم ایل اے کی سرکردگی میں کام کر رہا تھا جس کے ہمراہ فوج اور پولیس کے سپاہی بھی ہوتے تھے۔دوسرا جتھا زیرے کی پولیس کے ہمراہ حملے کرتا تھا اور تیسرا ریاست فرید کوٹ کی فوج اور موگے کی پولیس کی قیادت میں ہلے بولتا تھا۔ان تینوں گروہوں کے حملے کرنے کے طریقے مختلف تھے۔چھوٹے چھوٹے دیہات قریب کے کسی حملہ سے متاثر ہو کر خود بخود خالی ہو جاتے تھے جتھا وہاں پہنچ کر گھروں کو لوٹتا اور مکانوں کو آگ لگا دیتا تھا۔رتن سنگھ کا گروہ جو چار پانچ سو اکالیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔چھوٹے چھوٹے دیہات کے گرد گھیرا ڈال لیتا تھا۔اس کے بعد رتن سنگھ کی جیپ کار مسلح پولیس کے ساتھ گاؤں میں داخل ہوتی تھیں۔رتن سنگھ لوگوں کو امن کی تلقین کرتا تھا اور پولیس کے سپاہی مسلمانوں کی تلاشی لے کر ہتھیار چھین لیتے تھے۔اس کے بعد ہندوؤں کو ایک طرف اور مسلمانوں کو ایک طرف کر کے مسلمانوں پر گولیاں چلا دیتے تھے۔مسلمان فیروں سے بچنے کے لئے بھاگتے تھے تو گھیرا ڈالنے والے اکالی انہیں گنڈاسوں، برچھوں، کرپانوں اور تلواروں وغیرہ سے کاٹ ڈالتے تھے۔جوان لڑکیوں کی مشکیں کس لی جاتی تھیں اور گاؤں ہی میں ان کی عصمت ریزی کرنے کے بعد انہیں لاریوں میں لاد کر موگے کی طرف بھیج دیا جاتا تھا۔

دوسرے گروہ کے حملے کا طریق بھی قریب قریب یہی تھا۔فرق صرف یہ تھا کہ پہلے کوئی سکھ تھانے میں جا کر غلط رپورٹ پیش کرتا تھا۔اس پر زیرے کی پولیس وہاں چلی جاتی تھی۔رپٹ دینے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ سکھ اس گاؤں پر حملہ کر رہے ہیں۔اس لئے پولیس کو چاہئے کہ بروقت ان کی امداد کے لئے پہنچ جائے۔

تیسرا گروہ جس میں ریاست فرید کوٹ کے فوجی دستے شامل تھے۔ان بڑے بڑے دیہات پر حملہ کرتا تھا جہاں مسلمان پناہ گیر جمع ہو جاتے تھے۔بعض مقامات پر تینوں گروہ مل کر حملہ کرتے تھے۔بہک گوجراں، ملانوالہ، نیلے والا، تلونڈی جلے خاں، جوئیاں ڈھولے والہ۔ملہو، تلونڈی نیپالال، دھرم کوٹ، قادر والہ اور لہرہ ایسے مقامات ہیں جہاں تین گروہوں نے مل کر سخت حملے کئے اور ہر مقام پر دو دو تین تین ہزار مسلمان شہید کر ڈالے۔حملہ کے بعد لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہتا تھا اور پولیس مٹی کا تیل لے جا کر لاشوں کو جلا دیتی تھی۔

ایک شام زیرہ پولیس کے سکھ سب انسپکٹر پولیس کی کارگزاری کی داستان ایک سکھ فخریہ طور پر یوں بیان کر رہا تھا کہ ”مسلمان تو ہم نے بھی بہت مارے ہیں لیکن اس مائی کے لال کا مقابلہ مشکل ہے جس نے تلونڈی جلے خاں میں ایک سو سے زیادہ زندہ بچے اپنے ہاتھ سے آگ میں جھونکے۔

تلونڈی جلے خاں سے جوان عورتوں اور لڑکیوں کی تین لاریاں بھر کر مالوے بھیجی گئیں اور کچھ زیرہ کی پولیس کو تحفۃً پیش کی گئیں۔

29 راگست کی صبح کو قصبہ زیرہ کے نہتے مسلمانوں کا ایک قافلہ آٹھ مسلمان فوجی سپاہیوں کی معیت میں پاپیادہ فیروز پور کو روانہ ہوا۔اس وقت تحصیل زیرہ کے وہ مسلمان جو موت کے پنجے سے بچ نکلے تھے لیکن موت ان کی تلاش میں پھر رہی تھی۔قافلوں کی صورت میں فیروز پور ہیڈ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ان میں سے ایک قافلے کو جو سید مالہے شاہ کی قیادت میں کھو سے چلا تھا۔اسے راہ میں روک لیا گیا اور دس دس کر کے دو ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔دوسرا قافلہ چودھری عبدالعزیز ذیلدار کی قیادت میں پہلے قافلے کی لاشوں پر سے گزرتا ہوا فیروز ہیڈ کی راہ سے قصور پہنچا۔اس قافلے کے کوئی ایک سو افراد امر سنگھ تھانیدار کی گولیوں کی نذر ہو گئے“۔

تیری منزل جو قریب آئی مرے پاک وطن
خون کے سیل میں ڈوبا ہوا رستہ دیکھا
اتنے آلام و مصائب سے نبٹ کر نکلے
تب کہیں جا کے ترا چاند سا مکھڑا دیکھا
(وقار انبالوی)

پاکستان کی تاریخ خون سے رقم کرنے والے چند زندہ جاوید احمدی

اب آخر میں بعض ان کفن بردوش اور جانباز اور پاکستان کے فدائی اور شیدائی احمدیوں کی ایک نامکمل فہرست درج کی جاتی ہے۔جنہوں نے اس دور میں اپنے خون سے گلستان پاکستان کی آبیاری کی۔ان ہستیوں کے نام چاند ستاروں کی طرح ہمیشہ روشن رہیں گے۔

راہ حق میں لٹا دیا ہے سب کچھ
جان دیکھی نہ مال دیکھا ہے

قادیان

قریشی پیر سلطان عالم صاحب آف گولیکی نائب ناظر ضیافت، مرزا احمد شفیع صاحب (ماموں حضرت سیدہ ام متین صاحبہ) سید محبوب عالم صاحب بہاری، عبدالحق صاحب، میاں غلام محمد صاحب سیالکوٹی، نیاز علی صاحب آف کھاریاں، محمد منیر شامی (ولد ڈاکٹر حبیب اللہ خان ابوحنیفی)

ونجواں

چوہدری فقیر محمد صاحب

دیال گڑھ

چوہدری مبارک علی صاحب

سٹھیالی

جمعدار محمد اشرف صاحب

سڑوعہ

چوہدری احمد خاں صاحب۔اللہ بخش صاحب۔احمد علی خاں صاحب وٹرنری انسپکٹر پنشنر

دھوری

شیخ عبدالغنی صاحب

محمود آباد جہلم

ملک اللہ داد صاحب

دہلی

بابو نذیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ دہلی۔بابو محمد یونس صاحب (ماموں)

ایک نوحہ گیر کے اختتامی کلمات

پاکستان کے مبصر اور مسلم لیگی لیڈر جناب خواجہ افتخار صاحب پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:۔

”ہماری......کوتاہیوں اور غلط انداز فکر کا نتیجہ ہے کہ ہم بلندیوں کی طرف پرواز کرنے کے بجائے پستیوں کی طرف لڑھکتے چلے گئے اور شمع آزادی کے پروانوں کی ناقدری کو اپنا شعار بنا کر وطن عزیز کو دولخت کرا بیٹھے“۔ (جب امرتسر جل رہا تھا ص97)

ہم نے جس گلشن کی خاطر اپنا سب کچھ وار دیا
آج چمن کے رہنے والے غیر ہمیں کو کہتے ہیں
ہم نے ویرانوں کو بسایا، شہر نئے تخلیق کئے
اس جرم تعمیر پہ اب تک رنج و مصائب سہتے ہیں

بریگیڈیر (ر) سید ممتاز احمد صاحب

پارٹیشن کی بازگشت

برطانیہ کے پرائم منسٹر ایٹلی نے 1946ء کے آخری دنوں میں محسوس کیا کہ اس وقت کے وائسرائے ہندلارڈ ویول (Lord Wavell) ہندوستان کے تیزی سے بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھال نہ سکیں گے۔ ان کی نظر لارڈ ماؤنٹ بیٹن (Lord Mount Batten) پر پڑی اور انہوں نے انہیں بلا بھیجا۔ بیٹن بے حد خود پسند شخصیت کا مالک تھا اور ہندوستان کے وائسرائے کے عہدہ میں انہیں اپنی انا کی تسکین نظر آتی تھی لیکن ان کے دل میں ایک دیرینہ کانٹا تھا جس کے حل کی شدید خواہش تھی۔ ان کے والد بیٹن برگ (Batten Burg) جن کا نام جرمن زبان میں Mount Batten ہی تھا برطانیہ کی نیوی کے ایک لائق اور سینئیر افسر تھے تاہم انہیں نیوی کا کمانڈر انچیف نہ بنایا گیا تھا کیونکہ ان کا تعلق جرمنی سے بھی تھا۔ اس خاندانی کمی کو دور کرنے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن خود برطانیہ کی نیوی کے کمانڈر ان چیف ہونا چاہتے تھے اور وہ اپنی Seniority اور لیاقت سے 1946ء میں اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے لارڈ ایٹلی کو وائسرائے کا عہدہ سنبھالنے کے لئے دو شرائط پیش کی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ واپسی پر نیوی میں اپنی Seniority پر ہی لے جائیں گے اور دوسری یہ کہ بطور وائسرائے وہ ہندوستان کے تمام معاملات میں خود مختار ہوں گے اور انڈیا آفس کے ماتحت نہ ہوں گے۔ لارڈ ایٹلی کو دونوں شرائط ماننا پڑیں کیونکہ ان کی نظر میں اس وقت وائسرائے کے عہدہ کے لئے کوئی دوسرا شخص موزوں نہ تھا۔

قبل ازیں انڈین کانگرس نے یہ چال چلی تھی کہ گو رائج الوقت آئین میں ہندوستان کو 11 صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا جس میں پنجاب اور بنگال دونوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی کانگرس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ چال چلی کہ ملک کی تقسیم کے لئے صوبوں کی بجائے تحصیل کو یونٹ بنا دیا جائے گا اور بعض دوسرے معاملات کو بھی زیر نظر رکھا جائے گا۔ برطانیہ خود بھی ہندوستان کی تقسیم کے خلاف تھا۔ اس لئے یہ تحصیل والی سکیم کو پسند کیا گیا کہ شاید قائداعظم اس طرح چھوٹے سے Mouth Eaten پاکستان کو ناکافی سمجھ کر ملک کی تقسیم کا خیال ترک کردیں۔ برطانیہ اور کانگرس دونوں نے یہ بات نظرانداز کردی تھی کہ 1940 کی قرارداد لاہور کی ضرورت ہی اس لئے پیش آئی تھی کہ مسلم لیگ تمام کوششیں کر چکی تھی کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو کم از کم جائز حقوق تو مل جائیں۔ کانگرس نے ایسا نہ ہونے دیا تھا۔ برطانیہ نے اپنے دوسوسال کے ٹھوس تجربہ کی بناء پر کیبنٹ پلان تیار کیا تھا جس میں تمام لوگوں کو جائز حقوق دیئے گئے تھے اور قبول ہوجانے کی صورت میں ملک کی سیاسی فضا میں جو گرمی اور لاقانونیت کا خطرہ پیدا ہوچکا تھا وہ ٹھنڈا ہوجاتا اور بغیر فساد اور قتل وغارت گری کے سیاسی عمل آگے بڑھتا۔ خوب سوچ بچار کے بعد مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے اس پلان کو قبول کرلیا تھا۔ پھر پنڈت جواہر لعل نہرو صاحب نے نامعلوم کن امیدوں پر تکیہ کرتے ہوئے تمام تر طاقت زیادہ آبادی کی بناء پر ہندو کمیونٹی کے لئے حاصل کرنا چاہی اور بمبئی میں ایک پبلک ایڈریس میں اس کا برملا اعلان بھی کردیا۔ ان کی یہ تقریر سن کر ان کا دست راست اور دیرینہ دوست سردار ولبھ بھائی پٹیل چیخ پڑا تھا کہ کیا نہرو پاگل ہوگیا ہے؟ اور کہ اب پاکستان کو معرض وجود میں آنے سے کوئی طاقت نہ روک سکے گی۔

نئے وائسرائے کو چن لینے کے ساتھ ہی برطانیہ نے ایک جج کو بھی ہندوستان روانہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا تا کہ وہ زیرغور معاملات میں تنازعہ کی صورت میں درست فیصلہ کرسکے۔ قائداعظم برطانیہ میں قانونی کاموں کا وسیع تجربہ رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے رائے دی کہ برطانیہ کی اعلیٰ تین عدالت کے ججوں میں سے کسی ایک کا تقرر کردیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن خوب جانتا تھا کہ ایسے جج کی موجودگی میں وہ اپنی من مانی نہ کرسکے گا چنانچہ ایک بودہ سا عذر پیش کردیا کہ اتنے سینئر جج صاحبان تو بڑی عمر کے ہوتے ہیں اور وہ ہندوستان میں گرمی برداشت نہ کرسکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ریڈکلف کو چن لیا اور تسلی پالی کہ ان کی مرضی کو اب کوئی نہ روک سکے گا۔

ہندوستان میں جونہی ملک کی تقسیم کا معاملہ ممکن نظر آیا۔ تو ہندوستان بھر میں صرف حضرت مصلح موعود کی دوررس نگاہ میں یہ بات عیاں تھی کہ زمین کی تقسیم جس میں دریا پہاڑیاں نہروں کا وسیع نظام ذرائع آمدورفت شہر گاؤں اور مختلف مذاہب کی پابند آبادی اور بصورت تنازعہ جنگ کا امکان موجود ہو اس کی درست تقسیم کے لئے ایک ماہر جغرافیہ دان جو سرسرل ریڈکلف کے ایڈوائزر کے سامنے اپنا نظریہ بھی احسن طریق سے بیان کرسکتا ہو کی ضرورت پڑے گی چنانچہ حضور کے حکم کے ماتحت مسٹر O.H.K.Spate کی خدمات بطور جماعت احمدیہ کے ایڈوائزر کے حاصل کرلی گئیں۔

مسٹر Spate کا بیان

Spate صاحب نے کئی کتب تحریر کی ہیں اور پارٹیشن کے بارہ میں ان کا ایک بیان ڈان 16 اپریل 2006ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ جس کا آزاد ترجمہ یہ ہے:

میری خدمات بطور ایڈوائزر کے قادیان ضلع گورداسپور کی احمدیہ کمیونٹی نے حاصل کرلیں اور اس طرح میں غیر سرکاری طور پر مسلم لیگ کا ایڈوائزر بن گیا۔ میں نے 1943ء کے ایک جرنل میں ایک مضمون لکھا تھا یعنی پاکستان سکیم کا جغرافیہ۔ اس میں میری رائے یہ تھی کہ (In Technical point of View) تیکنیکی نظریہ کے ماتحت پنجاب کی درست تقسیم کے لئے پاکستان کی حد ان کے اپنے کلیم (Claim) سے بھی مشرق کی جانب ہونی چاہئے۔ میری رائے میں مسلمانوں کا کلیم انصاف کے تقاضوں کے ماتحت بالکل جائز اور درست تھا۔ میرے رائے میں پنجاب یونیورسٹی کے جغرافیہ دانوں نے جو نقشہ جات 1947ء میں پیش کئے تھے ان سے ان صاحبان کی جغرافیہ پر ماہرانہ نظر کا اظہار ہوتا تھا۔ ان نقشہ جات نے میری رائے کو بہت تقویت دی تھی۔ 10 جون 1947ء کو مجھے کسی مرزا علی امام آف بیت الفضل لندن کا خط ملا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ جماعت احمدیہ کے مقدس شہر قادیان کو تقسیم کے وقت پاکستان میں شامل کیا جائے۔ یہ خط پڑھ کر مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ کارروائی میرے دوست Doctor L.Dudley Stamp کی نہ ہو جو London school of Economics کے پاس شدہ تھے اور انہوں نے جغرافیہ پر بھی سکولوں کے لئے کتب لکھی تھیں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ ہندوستان غیر منقسم رہ ہی نہیں سکتا۔ انڈین کانگرس نے بڑی بڑی غلطیاں کرکے مسلمانوں کو بدول کردیا تھا اور ان کے لیڈر محمد علی جناح میں غضب کی فراست اور سٹیل (Steel) سے زیادہ مضبوط ارادہ اور ہمت تھی۔ ان کے ساتھ بحث کرنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں شگاف کرنے کے لئے غلیل کے سچے غلوں کا استعمال کر رہا ہے۔ جناح کا نعرہ کہ ہندوستان میں دو قوم میں آباد ہیں مسلمانوں کو خوب بھاتا تھا اور باوجود کانگرس کے انکار کے کانگرس کا سیاسی نظریہ تمام تر ہندوانہ اور ہندو قوم کی بقا کے لئے مخصوص تھا۔

پنجاب میں مسلمان 55.6 فیصد تھے بیاس اور ستلج لائن کے مغرب کے تمام علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی گورداسپور میں مسلمان 51 فیصد سے زیادہ تھے۔ زیادہ جھگڑا بیاس ستلج دریاؤں کا علاقہ تھا۔ اس کے جنوب میں آبادی ملی جلی تھی لیکن پھر بھی اس تمام علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی اس علاقہ کے بٹوارے میں بہت کاوش کی ضرورت تھی لیکن باؤنڈری کمیشن نے اس میں پہلو تہی کی تھی۔ پنجاب میں سکھوں کی کل آبادی 51 لاکھ تھی لیکن صرف لدھیانہ ضلع میں ان کی آبادی دوسروں سے زیادہ تھی۔ بیاس ستلج کے مغرب میں ان کی آبادی 8 ضلعوں میں صرف 10 فی صد تھی جبکہ ان میں سے 6 اضلاع میں مسلمان آبادی 60 فی صد تھی۔ سکھوں نے اپنا حق بہت زیادہ جمانا چاہا تھا کیونکہ برٹش حکومت اس جانب سے بالکل غافل تھی۔ اس طرح سکھوں کی ہندوستان میں 57 لاکھ کی کل آبادی کو مسلمانوں کی 10 کروڑ کی آبادی اور ہندوؤں کی 27 کروڑ کی آبادی کی برابری کا درجہ دے دیا گیا۔ آبادی کے علاوہ معاملہ مساجد اور گوردواروں کے احترام کا تھا۔ ایک برٹش انڈر سیکرٹری نے امرتسر اور ایک دوسرے مقامات کے تحفظ کی ضمانت دی تھی لیکن سکھ صاحبان 700 مقامات کا تحفظ چاہتے تھے اور ان کے اس قسم کے حقوق کو کانگرس جائز قرار دے رہی تھی۔ میں باؤنڈری کمیشن کے قابل اعتراض طریقہ کار کو بری نظر سے دیکھتا ہوں سرسرل آخری جج تھا جس نے کمیشن کی سفارشات کو قبول کرنا تھا۔ یہ ذمہ داری اتنی بڑی تھی کہ ایک انسان کے لئے ناممکن تھا کہ وہ درست فیصلہ کرسکے اگرچہ وہ باؤنڈری بنانے کے جغرافیہ میں بھی اچھی طرح آگاہ ہوتا۔ سرسرل تو Constitution کے قانون کا ماہر تھا اور وہ آرام سے دہلی یا شملہ میں بیٹھا رہتا تھا۔ اس کو غالباً اس وجہ سے باؤنڈری کمیشن کا جج مقرر کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کی سیاست سے کوسوں دور تھا۔ چنانچہ یہ قیاس کرلیا گیا تھا کہ وہ سکھوں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان غیر جانب دار فیصلہ دے گا۔ وہ یہ بھول گئے تھے کہ اس کے اپنے ایڈوائزر تو اتنے غیر جانبدار نہ تھے اور اس طرح فیصلہ تو غیر منصفانہ رہے گا۔

اگست کے پہلے ہفتہ میں پنجاب کمیشن شملہ چلی گئی۔ ظاہر تھا کہ ان دنوں ریڈکلف ستلج بیاس لائن کا ہی سوچ رہا تھا۔ اس لائن کے مغرب میں دو تحصیلیں امرتسر اور شدن تارن ایسی تھیں جہاں سکھوں کی آبادی زیادہ تھی اور یہ دونوں تحصیلیں اور گورداسپور ضلع ہی دراصل پنجاب باؤنڈری کمیشن کے انصاف کا محتاج تھا۔ ان دنوں شملہ سے جو خبریں آرہی تھیں ان میں وہ تمام سنسنی خیز باتیں بھری ہوئی تھیں جو ایک جاسوسی ناول یا جاسوسی فلم میں درج ہوتی ہیں۔ ان میں خفیہ ملاقاتیں ایک دوسرے کی خفیہ باتوں کو سن لینے کی کوشش اور طرح طرح کی بے ایمانیوں کا اظہار ہوتا تھا۔ ان تمام حالات میں ایک واقعہ ایسا ہوا جو میرے لئے نہایت تکلیف دہ تھا۔ میرے پاس کچھ خالی وقت تھا اور میں یونائیٹڈ پبلک لائبریری میں خاموش بیٹھا ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا تب ریڈکلف کے سٹاف کا ایک ذمہ دار برٹش افسر اندر آیا اس کے ساتھ تین سکھ صاحبان بھی تھے جو نہایت خوش باش موڈ میں مسکرا رہے تھے۔ ان تینوں میں سے کسی نے بھی میری جانب نظر نہ کی۔ سکھ صاحبان نے اس ذمہ دار برٹش افسر کو ایک سفید رنگ کا لفافہ دیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس لفافہ میں محض چائے کا دعوت نامہ ہی ہو لیکن یہ سب کچھ جن حالات میں ہوا اس میں ناپاکی کا عنصر موجود تھا۔ کاش میں نے وہ واقعہ نہ دیکھا ہوتا۔

(سکھوں کا کلیم بہت ہی ناقابل قبول تھا۔ وہ رچنا دوآب کا ایک بڑا حصہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ زیادہ تھی۔ پنجاب کی تقسیم کا

باقی صفحہ 8 پر

ہو باغباں کو مبارک

14۔اگست 1947ء کی یاد میں

ہو باغباں کو مبارک شبابِ سرو و سمن
کہ ہو رہا ہے شگفتہ خزاں رسیدہ چمن
زمانہ آج ہے رقصاں بہشت در دامن
مگر نہاں نگہِ عیش سے ہے دورِ محن
کئی کروڑ نگاہوں کے انتظار کے بعد
اُفق سے موت کے پھوٹی ہے زندگی کی کرن
لہو میں ڈوب کے پہنچے ہیں جو کنارے تک
وہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کس قدر ہے کٹھن
سلام تم پہ شہیدانِ عرصہ تقسیم
کہ جان دے کے بچالی ہے آبروئے وطن
بجھی نہیں ہے ابھی تشنگی زمینوں کی
ابھی فضاؤں میں برپا ہے شورِ دار و رسن
دلوں کے زخم ابھی دے رہے ہیں گرم لہو
ابھی ہیں تازہ شہیدوں کے گلفروش کفن
پھر ایک بار وہی آتشِ جگر افروز
وہ جس سے کھول اٹھی تھی فضائے گنگ و جمن
پھر ایک بار نگاہوں سے بجلیاں برسیں
پھر ایک بار اٹھیں نعرہ ہائے کُفر شکن
مجاہدوں کے لئے امتیاز کیا ثاقبؔ
ٹھہر گیا ہے جہاں قافلہ وہیں ہے وطن

ثاقبؔ زیروی

پاکستان کی آبادی۔ مردم شماری کے نتائج

علاقہ	1951ء	1972ء	1981ء	1998ء
پاکستان	33740167	65309340	84253644	130579571
شہری	5985497	16593651	23827339	42458339
دیہی	27754670	48715689	60426305	88121232
پنجاب	20540762	37610159	47292441	72585430
شہری	3568076	9182695	13042841	22699490
دیہی	16972686	28427464	34249600	49885940
سندھ	6047748	14155909	19028666	29991161
شہری	1768127	5725776	10785630	14661832
دیہی	4279621	8430133	8243036	15329329
صوبہ سرحد	4556545	8388551	11061328	17554674
شہری	504745	1195655	1665653	2973047
دیہی	4051800	7192896	9395675	14581627
بلوچستان	1167167	2428678	4332376	6511358
شہری	144549	399584	671445	1516339
دیہی	1022618	2029094	3660931	4995019
اسلام آباد	95940	234813	340286	799085
شہری	......	76641	204364	524500
دیہی	95940	158172	135922	274585
فاٹا	1332005	2491230	2198547	3137863
شہری	......	13300	......	83131
دیہی	1332005	2477930	2198547	3054732

(جنگ سنڈے میگزین 9 جولائی 2006ء)

(بقیہ صفحہ 2)

کرتا ہے۔اس حوالہ سے بھی آپ نے حکومت وقت کو اہم تجاویز دیں اور مندرجہ ذیل امور پر خاص زور دیا:۔

(1) پاکستان کو اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہئے جس سے اس کے ہندوستان سے تعلقات خراب ہوں۔اسے اپنی طرف سے صلح کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔لیکن یہ صلح باعزت ہو نہ کہ ہتھیار ڈالنے کے مترادف (2) برطانیہ اور امریکہ سے بھی خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (3) روس سے متعلق بھی امن پسندانہ رویہ رکھنا چاہئے۔اور اپنی طرف سے کوئی وجہ اشتعال پیدا نہ ہونے دینی چاہئے۔(4) عرب ممالک کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دوستانہ تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ (5) عراق اور شام کے ساتھ ریل کے ذریعہ پاکستان کا اتصال قائم کرنا ضروری ہے۔تا کہ ضرورت پر ان ممالک کے ذریعہ سامان آ سکے۔ (6) سپین، ارجنٹائن، جاپان، آسٹریلیا، ایبے سینیا اور ایسٹ افریقہ سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔یہ ممالک اپنے اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے بہت سے سیاسی فوائد کا موجب بن سکتے ہیں۔‘‘

(سوانح فضل عمر جلد چہارم ص 302)

(بقیہ صفحہ 7)

فیصلہ آبادی کے تناسب ذرائع آمد ورفت نہروں کے جال کی موجودگی اور بحالت جنگ زمین کی تقسیم کی درستگی جیسے ضروری اقدامات کے سوچ بچار پر مبنی ہونی چاہئے تھی لیکن ہوا یہ کہ قطع نظر ریڈ کلف۔قطع نظر ماؤنٹ بیٹن قطع نظر یہ احمدیہ کمیونٹی قطع نظر Spate تمام ضلع گورداسپور ہندوستان کو دے دیا گیا۔) یہاں Spate صاحب کا بیان ختم ہے۔

افسوس کہ ہندوستان میں انگریز دوسو سال حاکم رہے اور انہوں نے انصاف پر مبنی فیصلے بھی دیئے اور اچھے کام بھی کئے لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کو ذرا اہمیت نہ دی۔اسے واپس جانے کی جلدی تھی۔اس نے حکومت برطانیہ کا فیصلہ کہ ہندوستان اور پاکستان کو 1948 Dominion ءمیں بنایا جائے کو نظر انداز کیا اور اگست 1947ء کو ہی تقسیم ہند کا فیصلہ کر دیا۔اور غیر منصفانہ فیصلوں کے نتیجہ میں لاکھوں لوگوں کی زندگی میں قتل و غارت گری شامل ہوئی اور نہایت دردناک حالات میں ان کو نقل مکانی کرنی پڑی۔

ماخوذ

آئین پاکستان کے تحت معاشی اور ترقیاتی حقوق

آئین پاکستان کے مختلف آرٹیکلز کے تحت شہریوں کو بہت سے معاشی و ترقیاتی حقوق حاصل ہیں جن میں سے چیدہ چیدہ ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

☆ دفعہ 3: استحصال کا خاتمہ

ریاست استحصال کی تمام صورتوں کے خاتمے اور ہرشہری کو اس کی اہلیت کے مطابق کام اور ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق اجرت کے بنیادی اصول پر رفتہ رفتہ عمل درآمد کو یقینی بنائے گی۔

☆ دفعہ 11: غلامی، جبری مشقت وغیرہ کی ممانعت

(2) جبری مزدوری اور انسانوں کی سمگلنگ وغیرہ کی تمام صورتوں کی ممانعت ہے۔

(3) 14 برس سے کم عمر کسی بچے کو کسی کارخانے، دکان یا دیگر پُرخطر ملازمت میں نہیں رکھا جائے گا۔

☆ دفعہ 18: تجارت، کاروبار یا پیشہ اختیار کرنے کی آزادی

قانون کے ذریعے عائد کردہ پابندیوں (اگر کوئی ہوں) کے تابع ہرشہری کو کوئی بھی جائز پیشہ، کاروبار اور تجارت کرنے کی آزادی حاصل ہے۔

☆ دفعہ 23: جائیداد رکھنے کا حق

ہرشہری کو پاکستان کے کسی بھی حصے میں آئین اور ملک کے قانون کے اندر رہتے ہوئے جائیداد حاصل کرنے، اس کی ملکیت رکھنے یا خرید وفروخت کرنے کا حق ہوگا۔

☆ دفعہ 24: ملکیت کے حقوق کا تحفظ

کسی بھی شہری کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں رکھا جائے گا، ماسوائے جب قانون اس کی اجازت دے۔

☆ دفعہ 25: تمام شہریوں کی برابری

قانون کی نظر میں تمام شہری برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے حقدار ہیں۔

☆ دفعہ 27: ملازمتوں میں امتیازی سلوک سے تحفظ

(1) کسی بھی اہل شخص سے مذہب، ذات، جنس اور جائے پیدائش و رہائش کی بناء پر ملازمت کے معاملے میں امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔

(2) شق (1) کے مشمولات میں سے کوئی بھی امر ریاست کے لئے خواتین اور بچوں کی خاطر خصوصی انتظامات کرنے میں مانع نہیں ہوگا۔

☆ دفعہ 28: زبان، رسم الخط اور ثقافت کے تحفظ کا حق:

☆ دفعہ 34: قومی زندگی میں خواتین کی مکمل شراکت کا حق

☆ آرٹیکل 36: اقلیتوں کا تحفظ

☆ دفعہ 37: سماجی انصاف کا فروغ اور معاشرتی خرابیوں کا خاتمہ

ریاست خصوصی توجہ دیتے ہوئے،

(الف) پس ماندہ طبقوں اور خطوں کے تعلیمی اور معاشی مفادات کو فروغ دے گی۔

(ب) کم از کم ممکنہ مدت میں ناخواندگی کا خاتمہ کرے گی اور مفت و لازمی ثانوی تعلیم مہیا کرے گی۔

(ج) فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم کی دستیابی کو عمومی طور پر اور اعلیٰ تعلیم کو اہلیت کی بنیاد پر سب کے لئے مساوی طور پر مہیا کرے گی۔

(د) سستے اور فوری انصاف کی دستیابی یقینی بنائے گی۔

(ر) منصفانہ اور انسانی ہمدردی پر مبنی حالات کار کی دستیابی کے انتظامات کرے گی جس میں اس امر کو یقینی بنایا جائے گا کہ بچوں اور خواتین کو ایسے پیشوں میں کام پر نہیں لگایا جائے گا جو ان کی عمر یا جنس کے اعتبار سے موزوں نہیں اور یہ کہ ملازمت کرنے والی خواتین کو زچگی کی مراعات وسہولیات فراہم کی جائیں گی۔

(س) مختلف خطوں کے لوگوں کو تعلیم و تربیت، زرعی و صنعتی ترقی اور دیگر ذرائع کی مدد سے پاکستان کے محکموں میں ملازمتوں سمیت قومی سرگرمیوں کی تمام صورتوں میں مکمل طور پر شراکت کے اہل بنانا۔

☆ آرٹیکل 38: عوام کی سماجی وفلاحی بہبود کا فروغ

ریاست:

(الف) جنس، ذات، مذہب یا نسل کے فرق سے قطع نظر

(1) ذرائع پیداوار اور مفاد عامہ کے خلاف دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کو روک کر جنس، ذات، مذہب یا نسل کے فرق سے قطع نظر تمام شہریوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے اور آجر اور اجیر اور زمیندار اور مزارع کے مابین حقوق کے منصفانہ بندوبست کو یقینی بنائے گی۔

(2) ایسے تمام شہریوں کے لئے جو کسی کمزوری، بیماری، بے روزگاری کے باعث مستقل یا عارضی طور پر اپنی روزی کمانے کے قابل نہ رہے ہوں بلا لحاظ جنس، ذات، مسلک یا نسل بنیادی ضروریات زندگی جیسے خوراک، لباس، رہائش تعلیمی وطبی سہولیات مہیا کرے گی۔

(ب) ملک کے دستیاب وسائل کے اندر رہتے ہوئے تمام شہریوں کو معقول حد تک آرام اور تفریح کے ہمراہ کام کے لئے سہولیات اور مناسب معاش فراہم کرے گی۔

(ج) لازمی سوشل انشورنس کے دیگر ذرائع کے ذریعے حکومت پاکستان کی دیگر ملازمتوں میں کام کرنے والے افراد کو سوشل سیکیورٹی مہیا کرے گی۔

اقوام متحدہ کے ہزاریے کی ترقی کے اہداف:

ہدف 1: شدید غربت اور بھوک کو ختم کرنا۔
ہدف 2: ہر ایک کے لئے ابتدائی تعلیم کا ہدف حاصل کرنا۔
ہدف 3: صنفی مساوات کو فروغ دینا اور خواتین کو اختیارات تفویض کرنا۔
ہدف 4: بچوں میں اموات کی شرح کم کرنا۔
ہدف 5: ماں کی صحت بہتر بنانا۔
ہدف 6: ایچ آئی وی/ایڈز، ملیریا اور دیگر بیماریوں کے خاتمے کی جدوجہد کرنا۔
ہدف 7: ماحولیاتی تحفظ کو یقینی بنانا۔
ہدف 8: ترقی کے لئے ایک عالمگیر شراکت قائم کرنا۔

پاکستان کو درپیش ترقی کے چیلنج

غریب عوام کی حیثیت میں اضافہ کرنا۔

تمام عوام بالخصوص غریبوں کو صحت اور صفائی کی بنیادی سہولیات مہیا کرنا۔

انتہائی غربت کے شکار افراد کو خوراک وغذا فراہم کرنا۔

ملک کے بچوں کو تعلیم مہیا کرنا۔

کنبوں کی آمدن میں اضافہ کرنا اور غربت میں کمی لانا۔

ملک کے بچوں کو ایک بہتر مستقبل مہیا کرنا۔

خواتین کو ان کے گھروں، خاندان اور ملک میں برابری کے قانونی، معاشی اور سیاسی حقوق کی فراہمی یقینی بنانا۔

ملک کی آبادی کو تحفظ فراہم کرنا۔

پاکستان کے عوام کو صاف ستھری، صحت مند زندگی گزارنے کے لئے موزوں اور پیداواری ماحول فراہم کرنا۔

(ماہنامہ نوائے انسان، مارچ اپریل 2005ء)

ماخوذ

سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس صاحبان

قیام پاکستان سے اب تک سپریم کورٹ آف پاکستان کے 20 چیف جسٹس صاحبان مقرر ہو چکے ہیں۔ پہلے چیف جسٹس جناب جسٹس عبدالرشید تھے اور 20 ویں چیف جسٹس جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری ہیں۔ ان 20 جسٹس صاحبان میں ایک ہفتے کی مدت سے لے کر 8 سال کی مدت تک کے چیف جسٹس صاحبان اپنے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ چیف جسٹس صاحبان کی اکثریت 65 سال کی عمر پوری کرنے پر ریٹائر ہوئی، تاہم چند ایک چیف جسٹس صاحبان مختلف حالات کے تحت ریٹائر ہوئے۔ پاکستان کی تاریخ میں چیف جسٹس جناب جسٹس سجاد علی شاہ وہ چیف جسٹس ہیں جنہیں خود عدالت نے ان کے عہدے سے ہٹایا، جبکہ چیف جسٹس جناب جسٹس انوارالحق اور چیف جسٹس جناب جسٹس سعید الزماں صدیقی نے پی سی او کے تحت حلف نہیں اٹھایا، جس کے باعث وہ اس عہدے سے ریٹائر ہو گئے۔ اسی طرح جسٹس محمد یعقوب اور جسٹس ریاض احمد شیخ ایک آئینی ترمیم کے باعث عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

جسٹس سر عبدالرشید

27 جون 1949ء تا 29 جون 1954ء

جسٹس سر عبدالرشید 29 جون 1889ء کو بھگوان پورہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے حصول کے بعد 1913ء میں وکالت شروع کی۔ 1933ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ 1949ء میں محکمہ عدالت (Judicafure) لاہور کے چیف جسٹس بنے۔ انہوں نے 15 اگست 1947ء کو بھارت میں سب سے سینئر مسلم جج کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح سے گورنر جنرل پاکستان کے عہدے کا حلف لیا۔ 27 جون 1949ء کو انہیں چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے پر ترقی دی گئی جہاں سے وہ 29 جون 1954ء کو 65 برس کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔ 6 نومبر 1981ء کو وفات پائی۔

جسٹس محمد منیر

29 جون 1954ء تا 2 مئی 1960ء

جسٹس محمد منیر 3 مئی 1895ء کو پیدا ہوئے۔ 1921ء میں امرتسر سے وکالت کا آغاز کیا۔ 1922ء میں لاہور آ گئے۔ 1942ء میں محکمہ عدالت لاہور بینچ کے جج مقرر ہوئے۔ 1949ء میں لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے۔ 29 جون کو چیف جسٹس پاکستان سر عبدالرشید کی ریٹائرمنٹ کے بعد پاکستان کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔ 65 برس کی عمر میں 2 مئی 1960ء کو اس عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

جسٹس محمد صبیح الدین

3 مئی 1960ء تا 12 مئی 1960ء

جسٹس محمد صبیح الدین 13 مئی 1895ء کو مدراس میں پیدا ہوئے۔ 1921ء میں سول سروس میں شمولیت اختیار کی۔ بعدازاں مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی حیثیت سے 1943ء تک خدمات سرانجام دیں۔ پہلے انہیں مدراس ہائی کورٹ کا ایڈیشنل جج مقرر کیا گیا، پھر 1946ء میں جج کی حیثیت سے تقرری عمل میں آئی۔ تقسیم کے بعد انہیں ڈھاکہ ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا گیا۔ 1950ء میں اسی کورٹ کے چیف جسٹس بنے۔ 1953ء میں وفاقی عدالت (سپریم کورٹ) کے جج مقرر ہوئے۔

جسٹس اے آر کارنیلیس

13 مئی 1960ء تا 29 فروری 1968ء

جسٹس ایلون رابرٹ (اے آر) کارنیلیس کیتھولک عیسائی تھے۔ 1903ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ 1926ء میں سول سروس میں شامل ہوئے۔ اسسٹنٹ کمشنر اور ڈسٹرکٹ اینڈ سول جج کی حیثیت سے پنجاب میں 1943ء تک خدمات انجام دیں۔ 1946ء میں لاہور ہائی کورٹ بینچ میں جج کے عہدے پر ترقی پائی۔ پاکستان بننے کے بعد 1951ء میں وفاقی عدالت پاکستان کے جج مقرر ہوئے۔ 1954ء میں جب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس محمد منیر نے گورنر جنرل کی جانب سے اسمبلی توڑنے کے فیصلے کو برقرار رکھا تو جسٹس کارنیلیس نے اس میں اختلافی نوٹ لکھا۔ وہ جسٹس محمد صبیح الدین کی ریٹائرمنٹ کے بعد 13 مئی 1960ء کو چیف جسٹس پاکستان بنے اور 65 برس کی عمر میں 29 فروری 1968ء میں ریٹائر ہوئے۔

جسٹس شیخ عبدالرحمٰن

یکم مارچ 1968ء تا 3 جون 1968ء

جسٹس شیخ عبدالرحمٰن 4 جون 1903ء کو پیدا ہوئے۔ 1926ء میں انڈین سول سروس سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ 1946ء تک پنجاب کے مختلف اضلاع میں اسسٹنٹ کمشنر اور ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، پھر لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ 1954ء میں لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے۔ 1955ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنائے گئے۔ 1958ء میں سپریم کورٹ کے جج بنے اور 29 فروری 1968ء کو جسٹس کارنیلیس کی ریٹائرمنٹ کے بعد چیف جسٹس پاکستان بنے۔ ان کی مدت بھی مختصر تھی۔ صرف 3 ماہ بعد 65 برس عمر ہونے پر 3 جون 1968ء کو ریٹائر ہوئے۔

جسٹس فضل اکبر

3 جون 1968ء تا 17 نومبر 1968ء

جسٹس فضل اکبر 1903ء میں پیدا ہوئے۔ 1931ء میں فورٹ ولیم ہائی کورٹ میں وکیل کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا اور کلکتہ یونیورسٹی میں قانون پڑھاتے رہے۔ 1943ء سے 1946ء تک ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے طور پر کام کیا۔ تقسیم کے بعد 1949ء میں ہائی کورٹ مشرقی پاکستان کے جج مقرر ہوئے۔ 1960ء میں سپریم کورٹ کے جج کے عہدے پر ترقی پائی۔ 4 جون 1968ء کو جسٹس ایس اے رحمٰن کے ریٹائرمنٹ کے بعد چیف جسٹس بنے۔ ان کی مدت بھی مختصر تھی محض 5 ماہ بعد 65 برس کی عمر کو پہنچ کر 17 نومبر 1968ء کو ریٹائر ہو گئے۔

جسٹس حمودالرحمٰن

18 نومبر 1968ء تا 31 اکتوبر 1975ء

جسٹس حمودالرحمٰن 1910ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ 1938ء میں کلکتہ سے وکالت شروع کی۔ تقسیم کے بعد 1948ء میں ڈھاکہ آ گئے۔ 1954ء میں ایڈووکیٹ جنرل کے عہدے سے ترقی پا کر ڈھاکہ ہائی کورٹ کے جج بنے۔ 1960ء میں سپریم کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور 1968ء میں جسٹس فضل اکبر کی ریٹائرمنٹ کے بعد چیف جسٹس پاکستان بنائے گئے، جہاں سے وہ 31 اکتوبر 1975ء میں ریٹائر ہوئے۔ جسٹس حمودالرحمٰن نے سانحہ مشرقی پاکستان کی تحقیقاتی کمیشن کی سربراہی بھی کی۔

جسٹس محمد یعقوب علی

یکم نومبر 1975ء تا 22 ستمبر 1977ء

جسٹس محمد یعقوب 1912ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ 1965ء میں لاہور ہائی کورٹ بینچ کے جج مقرر ہوئے۔ 1965ء میں ترقی پا کر سپریم کورٹ کے جج بنے۔ یکم نومبر 1975ء کو پاکستان کے چیف جسٹس بنائے گئے۔ نصرت بھٹو کیس کے دوران چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کی جانب سے ایک آئینی ترمیم کے باعث وہ 22 ستمبر 1977ء کو اپنے عہدے سے ریٹائر ہو گئے۔

جسٹس انوارالحق

23 ستمبر 1977ء تا 3 مارچ 1981ء

آپ 11 مئی 1917ء کو لکی مروت (بنوں) میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن جالندھر ہے۔ ایم اے معاشیات میں پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ 1939ء میں انڈین سول سروس کے امتحان میں امتیاز سے کامیاب ہوئے۔ آکسفورڈ میں ایک سال کی تربیت حاصل کرنے کے بعد صوبہ پنجاب میں سب ڈویژنل مجسٹریٹ، اسسٹنٹ کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1956ء میں وزارت دفاع میں ڈپٹی سیکرٹری مقرر ہوئے۔ 1959ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج 1962ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج اور بعدازاں سپریم کورٹ کے جج بنے۔ 1977ء میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔ اس حیثیت میں دوسرے ججوں کے ساتھ مل کر لاہور ہائی کورٹ کے سزائے موت کے فیصلے کے خلاف ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل کی سماعت کی اور ہائی کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ مارچ 1981ء میں صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے پی سی او (عبوری آئین) جاری کیا جس کے تحت یہ ضروری قرار پایا کہ صدر پاکستان کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ اپنی مرضی سے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان سے حلف لیں اور جو جج صاحبان حلف نہ اٹھائیں گے، ان کو ملازمت سے فارغ تصور کیا جائے گا۔ جناب جسٹس انوارالحق نے اس فیصلے کو غلط اور غیر قانونی قرار دیتے ہوئے استعفیٰ پیش کر دیا۔

جسٹس محمد حلیم

23 مارچ 1981ء تا 31 دسمبر 1989ء

جسٹس محمد حلیم یکم جنوری 1925ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ 11 اگست 2006ء کو کراچی میں ان کا انتقال ہوا وہ پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدے پر سب سے زیادہ مدت تک فرائض انجام دینے والے جسٹس ہیں۔ ان کے والد محمد وسیم پاکستان کے پہلے ایڈووکیٹ جنرل تھے۔

جسٹس محمد افضل ظلہ

یکم جنوری 1990ء تا 18/اپریل 1993ء

جسٹس محمد افضل ظلہ 19/اپریل 1928ء کو بحبنیال مندرا ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ 1968ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ 1979ء میں سپریم کورٹ کے جج بنائے گئے۔ یکم جنوری 1990ء کو چیف جسٹس بنائے گئے۔ جہاں سے 65 برس عمر ہونے پر 18/اپریل 1993ء کو ریٹائر ہوگئے۔

جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ

19/اپریل 1993ء تا 14/اپریل 1994ء

جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ 15/اپریل 1929ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ 39 برس کی عمر میں ہائی کورٹ کے جج بنے۔ 65 برس میں 14/اپریل 1994ء کو پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اس طرح کہا جاتا ہے کہ وہ جسٹس کے طور پر طویل عرصے تک خدمات انجام دینے والوں میں سرفہرست ہیں۔ 1993ء میں وزیراعظم نواز شریف کی حکومت صدر غلام اسحٰق خان کی جانب سے برطرف کئے جانے کے فیصلے کو کالعدم قرار دے کر نواز شریف حکومت بحال کر کے پاکستان کی سیاسی اور عدالتی تاریخ میں ایک باب رقم کیا۔

جسٹس سجاد علی شاہ

5 جون 1994ء تا 2 دسمبر 1997ء

جسٹس سجاد علی شاہ کو 1994ء میں اس وقت کی وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو نے دو سینئر ججوں کو نظرانداز کر کے چیف جسٹس پاکستان مقرر کیا۔ جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی 14/اپریل 1994ء کو بحیثیت چیف جسٹس پاکستان ریٹائرمنٹ کے بعد اصولی طور پر جسٹس سعد سعود جان کو چیف جسٹس بننا تھا لیکن وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو نے سجاد علی شاہ کو بنا دیا۔ بعدازاں 1995ء میں جب صدر فاروق لغاری نے محترمہ بےنظیر بھٹو کی حکومت کو بدعنوانی کے الزامات کے تحت برطرف کیا تو چیف جسٹس سجاد علی شاہ اور دیگر 6 ججوں پر مشتمل سپریم کورٹ نے صدر فاروق لغاری کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ پھر دسمبر 1997ء میں جب وزیراعظم نواز شریف نے 8 ویں ترمیم ختم کر کے تیرہویں ترمیم پارلیمنٹ سے منظور کرائی تھی جسٹس سجاد علی شاہ کی سربراہی میں قائم تین رکنی بینچ نے 13 ویں ترمیم کو معطل کر کے 8 ویں ترمیم بحال کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اس فیصلے کے خلاف جسٹس سعیدالزماں صدیقی کی سربراہی میں قائم 10 رکنی بینچ نے حکم امتناعی جاری کر دیا، سپریم کورٹ نے جسٹس سجاد علی شاہ کی بطور چیف جسٹس اور تیرہویں ترمیم کے حوالے سے پٹیشنوں کا فیصلہ کیا۔ سپریم کورٹ کے 10 رکنی بینچ نے اجمل میاں کو جو قائم مقام چیف جسٹس تھے، انہیں مکمل طور پر چیف جسٹس بنانے کا حکم دیا۔ اس فیصلے کے بعد جسٹس سجاد علی شاہ ریٹائر ہوگئے۔

جسٹس اجمل میاں

23 دسمبر 1997ء تا 30 جون 1999ء

جسٹس اجمل میاں 4 جولائی 1934ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ 18 مارچ 1978ء کو سندھ ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج بنے، 17 مارچ 1980ء کو مکمل جج مقرر کیا گیا۔ 4 ستمبر 1988ء کو سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے۔ 10 دسمبر 1989ء کو ترقی پا کر سپریم کورٹ کے جج بنائے گئے۔ جسٹس اجمل 23 دسمبر 1997ء کو سپریم کورٹ کے حکم پر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بنے تھے۔

جسٹس سعیدالزماں صدیقی

یکم جولائی 1999ء تا 26 جنوری 2000ء

جسٹس سعیدالزماں صدیقی یکم دسمبر 1937ء کو پیدا ہوئے۔ یکم جولائی 1999ء کو چیف جسٹس بنے، تاہم 2000ء میں جب صدر جنرل پرویز مشرف نے پی سی او جاری کیا تو انہوں نے اس کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کرتے ہوئے 26 جنوری کو استعفیٰ دے دیا۔ وہ 5 مارچ 1980ء کو سندھ ہائی کورٹ کے جج بنے۔ نومبر 1990ء میں چیف جسٹس بنے۔ مئی 1992ء میں سپریم کورٹ کے جج بنائے گئے، جہاں یکم جولائی 1999ء کو انہوں نے چیف جسٹس پاکستان کا حلف اٹھایا۔

جسٹس ارشاد احمد خان

26 جنوری 2000ء تا 6 جنوری 2002ء

جسٹس بشیر جہانگیری

7 جنوری تا 31 جنوری 2002ء

جسٹس بشیر جہانگیری یکم فروری 1937ء کو مانسہرہ میں پیدا ہوئے۔ 7 مارچ 1966ء کو سول جج بنے۔ 22 فروری یکم اکتوبر 1988ء کو پشاور ہائی کورٹ کے جج بنائے گئے، جہاں ترقی پا کر چیف جسٹس بنے۔ پھر 22 فروری 1995ء کو سپریم کورٹ بھیج دیئے گئے، جہاں 6 جنوری 2002ء کو جسٹس ارشاد احمد خان کی ریٹائرمنٹ کے بعد چیف جسٹس بنائے گئے، تاہم ان کی میعاد صرف 24 دن تھی۔

جسٹس شیخ ریاض احمد

یکم فروری 2002ء تا 31 دسمبر 2003ء

جسٹس شیخ ریاض احمد یکم فروری 2002ء کو چیف جسٹس بنائے گئے، قبل ازیں 1997ء میں سپریم کورٹ کا جج مقرر کیا گیا تھا، اس سے پہلے وہ لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس اور پھر چیف جسٹس رہے انہوں نے چیف جسٹس پاکستان کی حیثیت سے مختاراں مائی کیس کا ازخود نوٹس لیا تھا۔

جسٹس ناظم حسین صدیقی

31 دسمبر 2003ء تا 29 جون 2004ء

صدر جنرل پرویز مشرف کی جانب سے 17 ویں آئینی ترمیم کے بعد سپریم کورٹ کے 10 جج صاحبان بشمول چیف جسٹس شیخ ریاض احمد بھی ریٹائر ہوگئے۔ جس کے بعد جسٹس ناظم حسین صدیقی چیف جسٹس مقرر ہوئے، جسٹس ناظم حسین صدیقی مارچ 1992ء میں سندھ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ پھر 1999ء میں سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے، جہاں سے فروری 2000ء میں انہیں ترقی دے کر سپریم کورٹ کا جج بنایا گیا۔ انہوں نے صدر جنرل پرویز مشرف کے خلاف 17 ویں ترمیم کے حوالے سے 6 پٹیشنوں کو خارج کر دیا تھا۔

جسٹس افتخار محمد چوہدری

30 جون 2005ء تا حال

پاکستان کے 20 ویں چیف جسٹس ہیں۔ 12 دسمبر 1948ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ 9 مارچ 2007ء کو انہیں غیر فعال بنایا گیا اور ایک طرح سے نظر بند کر دیا گیا۔ البتہ 5 مئی کو ان کی یہ نظربندی ختم کر دی گئی۔ انہوں نے پاکستان سٹیل ملز پرائیویٹائزیشن، حسبہ بل، گم شدہ افراد اور 2007ء کے کئی کیسز میں اہم ترین رولنگ دی ہیں۔

فنون اور قانون میں بیچلرز ڈگریاں رکھنے والے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے 1974ء میں بار میں شمولیت اختیار کی۔ ہائی کورٹ میں 1976ء میں اور سپریم کورٹ میں 1985ء میں پریکٹس کے لئے اندراج کرایا۔ 1989ء میں بلوچستان کے ایڈووکیٹ جنرل مقرر ہوئے۔ 6 نومبر 1990ء کو بلوچستان ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور 21/اپریل 1999ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ 4 فروری 2000ء کو سپریم کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور 30 جون 2005ء کو صدر جنرل پرویز مشرف نے انہیں سینئر ترین جج ہونے کے سبب سپریم کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کیا۔

(روزنامہ جنگ)

9 مارچ 2007ء کو صدر نے سپریم جوڈیشل کونسل میں ان کے خلاف ریفرنس بھیج کر انہیں کام کرنے سے روک دیا۔ مگر 20 جولائی 2007ء کو سپریم کورٹ کے فل بینچ نے انہیں بحال کر دیا۔

پاک چین دوستی کا تاریخی پس منظر

عوامی جمہوریہ چین جب آزاد ہوا تو اسلامی ممالک میں پاکستان پہلا ملک تھا جس نے ماؤزے تنگ کی قیادت میں چین کی حکومت کے قیام کو باضابطہ طور پر ابتدائی تین ماہ میں ہی تسلیم کرلیا۔ پاکستان نے چین کو تسلیم کرنے کا اعلان جنوری 1950ء میں کیا اور ایک سال 5 ماہ بعد مئی 1951ء میں عوامی جمہوریہ چین سے سفارتی تعلقات قائم کئے۔ نومبر 1951ء میں پاکستان اور جنوری 1952ء میں چین نے سفارت خانے قائم کئے۔ اس زمانے میں چین اور تائیوان کے درمیان اقوام متحدہ میں قانونی بحث چل رہی تھی کہ تائیوان چین کی نمائندگی کرسکتا ہے۔ پاکستان نے امریکہ کی مخالفت کے باوجود ستمبر 1950ء میں جنرل اسمبلی میں چین کی رکنیت کا سوال اٹھایا اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان تھے۔ انہوں نے چین کو اقوام متحدہ کا رکن بنانے کے لئے آواز بلند کی۔

کوریا کی جنگ شروع ہوئی تو پاکستان نے شمالی کوریا اور اس کے حلیف عوامی جمہوریہ چین کے خلاف لڑنے کے لئے اقوام متحدہ کی افواج میں پاک فوج کے دستوں کو شامل کرنے سے انکار کردیا اور پاکستان اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں امریکہ کی پیش کردہ اس قرارداد کے حق میں ووٹ دینے سے الگ رہا جس میں عوامی جمہوریہ چین کو جارح قرار دے کر چین کے خلاف تجارتی پابندیاں لگانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک پاک چین دوستی کے مضبوط بندھنوں میں مسلسل استحکام آیا ہے۔

اس دوستی کے معماروں میں آنجہانی وزیراعظم چواین لائی کا نام ہمیشہ احترام اور عزت سے لیا جائے گا۔ جن کی پاکستان کے وزیراعظم محمد علی بوگرہ سے پہلی ملاقات بنڈونگ کانفرنس کے موقع پر ہوئی۔ اس کانفرنس میں بھارتی وزیراعظم جواہر لعل نہرو نے ان ممالک کو نشانہ بنایا جو امریکہ کے حلیف سمجھے جاتے تھے کیونکہ پاکستان امریکہ کے ساتھ فوجی معاہدوں میں شریک تھا۔ چین کے وزیراعظم چواین لائی نے اعلان کیا کہ پاکستان چین کا مخالف نہیں ہے۔ اس لئے چین کو جارحیت کا نشانہ نہیں بنائے گا۔ 1963ء میں پاکستان نے چین کے حق میں ووٹ دیا۔

پاک چین تعلقات میں سب سے اہم سنگ میل 1963ء میں دونوں ملکوں کا سرحدی معاہدہ ہے اس معاہدے سے پاک چین تعلقات کی نوعیت دنیا پر واضح ہوگئی۔ 2 مارچ 1963ء کو پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے بیجنگ میں اس تاریخی معاہدے پر دستخط کئے۔ 29 اگست 1963ء کو پاکستان اور چین کے درمیان سول ایوی ایشن کا معاہدہ بھی تاریخی ہے اس معاہدے سے پاکستان کو امریکی امداد بند کرنے کا عندیہ دیا گیا تھا۔ ستمبر 63ء میں چین اور پاکستان کے درمیان مال کے بدلے مال کی تجارت شروع ہوئی۔ فروری 1965ء میں پاکستان کے ساتھ چین نے اقتصادی اور فنی تعاون کا معاہدہ کیا۔ 1966ء میں ٹیکسلا میں چین کی امداد اور عملی تعاون سے ہیوی مکینیکل کمپلیکس تعمیر ہوا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں چین نے پاکستان کو بھرپور اخلاقی اور فوجی امداد دے کر بے مثال دوستی کا ثبوت فراہم کیا۔ اس موقع پر چواین لائی نے پاکستان سے دوستی کے حوالے سے تاریخی الفاظ کہے کہ ''چینی امداد وقتی مصلحتوں پر مبنی نہیں بلکہ مؤثر اور مسلسل ہوگی اور اس کا سلسلہ مصلحتوں سے منقطع نہیں ہوگا۔ چواین لائی نے اعلان کیا تھا کہ ہم نہ صرف لڑاکا طیارے فراہم کریں گے بلکہ ان کے فاضل پرزے اور انجن بھی فراہم کریں گے تاکہ یہ چینی طیارے اس وقت تک کارآمد رہیں جب تک وہ تباہ نہ ہوجائیں۔ ڈھاکہ میں چین نے وعدہ کے مطابق ایک اسلحہ ساز فیکٹری قائم کی۔

چین میں ثقافتی انقلاب کے نام سے داخلی انتشار اور بحران پیدا ہوا تو چینی رہنماؤں نے غیر ملکیوں کے دورے بند کردیئے۔ لیکن پاکستانی رہنما بدستور چین جاتے رہے۔ مارچ 1969ء میں مارشل لاء کے ذریعے یحییٰ خان نے اقتدار حاصل کیا اس وقت بھی چین نے پاکستان کے داخلی استحکام اور دفاع کی مکمل حمایت کی۔ چین نے پاکستان کے چوتھے 5 سالہ منصوبے کے لئے بھاری رقم فراہم کی۔ اکتوبر 1970ء میں اقوام متحدہ کی 25 ویں سالگرہ منائی گئی تو یحییٰ خان نے جنرل اسمبلی سے خطاب میں چین سے قابل اعتماد دوستی کے تسلسل کو پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اصول قرار دیا۔ اس زمانہ میں پاکستان نے چین اور امریکہ کے تعلقات استوار کرنے میں جو بنیادی کردار ادا کیا اس کو چین اور امریکہ دونوں آج بھی تسلیم کرتے ہیں۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی چین نے پاکستان کی حمایت کی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے چین کی اعلیٰ قیادت سے دیرینہ تعلقات تھے۔ وہ واحد پاکستانی رہنما تھے جو ماؤزے تنگ، چواین لائی، سیوشاؤچی، مارشل چین ای اور تینگ سیاؤ پینگ سے خصوصی تعلقات رکھتے تھے۔ ضیاء الحق کے برسراقتدار آنے کے بعد دونوں ممالک کے تعلقات میں فرق نہ آیا۔ ضیاء الحق نے دسمبر 1977ء مئی 1980ء اکتوبر 82ء میں چین کے تاریخی دورے کئے۔ چین کے صدر لی شین عن نے مارچ 1984ء میں پاکستان کا شاندار دورہ کیا۔ میاں نواز شریف نے وزیراعظم بننے کے بعد چین سے تعلقات کو اپنی پالیسی کا مرکزی نکتہ بتایا جبکہ بے نظیر بھٹو نے بھی پاکستان کی خارجہ پالیسی میں چین سے دوستی کو اہمیت دی۔ امریکہ نے پاکستان پر پابندیاں عائد کیں تو چین نے پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا۔

1994ء کو صدر پاکستان فاروق لغاری چین کے دورے پر گئے اور انہوں نے چین کے سرمایہ کاروں سے اپیل کی کہ وہ پاکستان میں سرمایہ کاری کریں۔ 1996ء میں چین کے صدر جیانگ ژن نے پاکستان کا دورہ کیا۔ انہوں نے دورہ کے موقع پر پاکستان سے ایٹمی تعاون جاری رکھنے کا اعلان کیا اور یہ بھی کہا کہ پاکستان اور چین ایسے دوست ہیں جو ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور ایسے برادر ملک ہیں جن کا مستقبل ایک دوسرے سے منسلک ہے۔ مئی 1997ء میں فاروق لغاری نے چین کا جو دورہ کیا تھا اس میں انہوں نے چینی سرمایہ کاروں سے اپیل کی تھی کہ وہ حکومت کی پُرکشش مراعات سے فائدہ اٹھائیں۔ اپریل 1999ء میں چین کے سابق وزیراعظم اور پیپلز کانگرس کے چیئرمین لی پنگ نے پاکستان کا دورہ کیا اور تاریخی الفاظ کہے کہ ''پاک چین دوستی ہمالیہ سے بلند، سمندر سے گہری اور شہد سے میٹھی ہے۔ جون 1999ء میں میاں نواز شریف نے چین کا چھ روزہ دورہ کیا لیکن کارگل کی لڑائی کی وجہ سے انہیں دورہ چین مختصر کرکے پاکستان آنا پڑا۔

جنرل پرویز مشرف اکتوبر 99ء میں برسراقتدار آئے تو انہوں نے یکم جنوری 2000ء کو چین کا پہلا دورہ کیا اب تک صدر پرویز مشرف چین کے چھ دورے کرچکے ہیں اور ہر دورہ میں پاکستان کے تعلقات پہلے سے مضبوط ہوئے ہیں۔ پاک چین دوستی کے مستقبل بھی ماضی کی طرح شاندار اور روشن ہے اور یہ تعلق ہمالیہ سے بھی بلند ثابت ہوگا۔

(روزنامہ جنگ سنڈے میگزین 5 مارچ 2006ء)

تعطیل

☆ مورخہ 14 / اگست 2007ء کو یوم آزادی پر قومی تعطیل کی وجہ سے روزنامہ الفضل شائع نہیں ہوگا۔ قارئین اور ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں۔

خدا کرے

خدا کرے کہ مری ارض پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے ، کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

خدا کرے کہ نہ خم ہو سر وقار وطن
اور اس کے حسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو

ہر ایک فرد ہو، تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو، کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے میرے ایک بھی ہم وطن کیلئے
حیات جرم نہ ہو ، زندگی وبال نہ ہو

احمد ندیم قاسمی

پاکستان کے چند اہم نیشنل پارک

پاکستان کی حسن سے مالا مال وادیوں کاغان، گلگت، سکردو، چترال، ہزارہ، سوات، کالاش میں ان گنت خزانے پوشیدہ ہیں، کہیں یہ خزانے پہاڑوں کی سربلندی کی صورت میں نمایاں ہیں تو کہیں پہاڑوں کے دامن میں پھل پھول، نایاب جڑی بوٹیاں اور جواہرات میں پھیلے ہوئے ہیں اور کہیں ان وادیوں کے نشیب وفراز تنگ گھاٹیوں اور کوہساروں کے اوپر نیچے جنگلی حیات سے دل بہلانے اور اللہ کی نشانیاں دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

زمانہ قدیم سے ان وادیوں میں نایاب نسل کے چرند پرند اور درندے پائے جاتے ہیں جو اپنی خونخواری کے ساتھ ساتھ ان ویرانوں کی رونق ہیں۔ حکومت پاکستان نے ان میں سے بیشتر جنگلی حیات کو محفوظ کرنے کے لئے ان علاقوں کو نیشنل پارک کا درجہ دیا ہوا ہے۔

مارگلہ نیشنل پارک

شاہ بلوط، چیڑ، پائن، کچنار، املتاس، آملہ، انار جیسے متعدد نایاب درختوں اور پودوں پر مشتمل یہ پارک 1980ء میں قائم ہوا تھا اس نیشنل پارک کی خوبصورتی اور انفرادیت یہ ہے کہ اس میں اسلام آباد کے نمایاں تفریحی پارک شکر پڑیاں، راول جھیل اور مارگلہ پہاڑیاں شامل ہیں جنہیں حکومت نے مارگلہ ہلز نیشنل پارک کا درجہ دیا ہے۔ مارگلہ نیشنل پارک میں کئی قسم کے پرندے اور جانور پائے جاتے ہیں لیکن ان کا شکار ممنوع ہے۔ مارگلہ ہلز نیشنل پارک 15 ہزار 8 سو 33 ہیکٹر ز میں پھیلا ہوا ہے۔ مارگلہ ہلز کا پھیلاؤ 12605 ہیکٹر ز اور راول جھیل کا رقبہ 1902 ہیکٹر ز پر مشتمل ہے۔ مارگلہ نیشنل پارک 600 سے 1604 میٹر بلند ہے۔ مارگلہ نیشنل پارک میں نایاب جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جو ادویات سازی میں استعمال ہوتی ہیں جبکہ یہاں کی جنگلی حیات میں گوراں، بلی، بندر، چیتا، گیدڑ، لومڑی، سفید کلغی والا کالچی مرغ زریں، سیاہ بلبل، ہدہد، کوبرا سانپ و دیگر حشرات الارض پائے جاتے ہیں۔

لال سہانڑا نیشنل پارک

پاکستان میں جنگلی حیات کی موجودگی ایک حیرت انگیز انکشاف کا درجہ رکھتی ہے۔ بالخصوص جب ببرشیروں اور چیتوں کا تصور قائم کرتے ہوئے سمجھا جاتا ہے کہ یہ افریقی جنگلوں کی مخلوق ہیں تو ان کی پاکستان کے صحراؤں پہاڑی علاقوں اور جنگلوں میں موجودگی حیرت کا باعث ہی بنتی ہے۔ بہاولپور سے بہاولنگر کی جانب 50 کلومیٹر کے فاصلہ پر قائم لال سہانڑا نیشنل پارک میں ببرشیروں کی آزادانہ چہل قدمی اور کالے ہرنوں کی بہتات دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ کوئی افریقی علاقہ ہے یا سندربن کے جنگلات، لال سہانڑا میں شیروں کی سفاری بنائی گئی ہے اور یہاں کی سیر و سیاحت کے لئے ریسٹ ہاؤس بھی قائم ہے لال سہانڑا کی جھیل سیاحوں کو اپنے آفتابی لیل ونہار سے متاثر کرتی ہے اپنے خوبصورت محل وقوع اور آسائشوں کی وجہ سے یہ جگہ سیاستدانوں، بیوروکریٹس اور غیرملکی مہمانوں کی پذیرائی کے لئے بہت مشہور ہے اگرچہ یہاں شکار کھیلنا منع ہے لیکن بہت سے سرکاری مہمانوں کی تواضع یہاں کے نایاب ہرنوں کے گوشت سے کی جاتی رہی ہے۔ میاں نواز شریف جب وزیر اعظم تھے تو انہوں نے سابق صدر فاروق لغاری کے خلاف لال سہانڑا کے ہرن اڑانے کے معاملات کی تحقیق کا حکم بھی دیا تھا۔ بہاولپور کے خطے میں جنگلی بہتات کی وجہ سے یہاں تلور اور لومڑیوں کا شکار بھی عام رہا ہے۔ کئی لومڑی فروش گرفتار بھی ہو چکے ہیں جن سے لومڑیاں برآمد کر کے لال سہانڑا پارک میں بھیج دی گئی تھیں۔

ایوبیہ نیشنل پارک

ملکہ کوہسار مری کا دامن جہاں چیڑھ کے خوشنما قدآور درختوں سے بھرا ہوا ہے وہاں اس کے حسن کو دلفریب بنانے میں ایوبیہ نیشنل پارک کا بھی ہاتھ ہے۔ اگرچہ دوسرے نیشنل پارکوں سے قدرے چھوٹا ہے۔ لیکن اس میں کالے ہرن اور چیتے کی نایاب نسل بھی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ چیتے کی نسل اب معدوم ہو رہی ہے تاہم ان کی نسل کی افزائش اور حفاظت کے لئے مناسب اقدامات کئے جارہے ہیں۔ ایوبیہ نیشنل پارک کے قریب سات بڑے گاؤں اور تین چھوٹے قصبے نتھیا گلی، ایوبیہ اور خانسپور واقع ہیں۔ یہ تینوں قصبے پہاڑی اور جدید زندگی کی رونقوں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس پارک کی خوبی یہ ہے کہ اس کے گھنے جنگلات اور برفانی تودوں سے جنم لینے والی ندی کے گرد ہر وقت نایاب پرندوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ جن کی مختلف بولیاں سننے کے لئے سیاح جوق در جوق یہاں آتے ہیں۔

چترال گول نیشنل پارک

چترال جانے والے سیاحوں کے لئے مئی سے ستمبر تک کا دورانیہ بہت سی پُرجوش تمناؤں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ موسم اپنے جوبن پر ہوتا ہے تو چترال وادی میں پھیلے چترال گول نیشنل پارک کے پرندے اور درندے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ چترال گول ایک تنگ وادی ہے۔ اس وادی میں پہنچنے کے لئے 18 کلومیٹر کا سفر طے کرنا پڑتا ہے مگر یہ سفر اپنے دلفریب نظاروں خاص طور پر جنوبی جانب بہتے دریائے کہار کی دنیا کو دیکھتے ہوئے بہت جلد کٹ جاتا ہے۔ چترال گول نیشنل پارک کی سب سے نمایاں چیز اس کی مارخور بھیڑیں ہیں۔

1971ء میں ان کی تعداد 125 ہو گئی تھی جبکہ اب یہ تعداد 250 تک پہنچ گئی ہے اس کے علاوہ یہاں سائبیرین نسل کے جانور اور سنہری عقاب، بھورا ریچھ، برفانی چیتے کی نایاب نسلیں بھی پائی جاتی ہیں۔

دیوسائی نیشنل پارک

دیوسائی قدرتی نظاروں کی سرزمین ہے۔ اس خطہ گلزار کی خوش قسمتی ہے کہ اسے قراقرم اور ہمالیہ کی قربت حاصل ہے۔ 7200 مربع کلومیٹر تک پھیلے ہوئے اور 400 میٹر تک بلند سلسلے میں جابجا جنگلی حیات دیکھنے کو ملتی ہے۔ دیوسائی کی بلندیوں پر بادل تیرتے پھرتے ہیں۔ یہ پہاڑ بنجر اور زرخیز بھی ہے ایک طرف درختوں سے خالی نظر آتا ہے تو دوسری جانب نگاہ اٹھتے ہی رنگ برنگے پھولوں، پھل دار درختوں کے نظارے ملتے ہیں۔ دیوسائی نیشنل پارک میں سب سے زیادہ قابل دید بھورا ریچھ ہے۔ یہاں 20 سے 25 بھورے ریچھوں کے جوڑے ہیں۔ یہ ریچھ دنیا کی نایاب ترین نسل ہیں۔ جسے محفوظ رکھنے کے لئے بڑے پیمانے پر پراجیکٹ شروع کیا جا چکا ہے۔ برفانی چیتا اور چنکارے دیوسائی پارک میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جبکہ سائبیریا سے آنے والے پرندے کثیر تعداد میں یہاں اترتے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ انڈین برفانی مرغی اور انڈین شاہین کی بھی کثیر تعداد یہاں موجود ہے۔

ہزار گنجی چلتن نیشنل پارک

ایک وقت میں ہزاروں خزانے دریافت کا جنون آئے تو سیاح عموماً ہزار گنجی وادی کی جانب رخ کرتے ہیں۔ یہ علاقے صدیوں پہلے بہت سی فوجی مہمات کے لئے گیٹ وے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہزار گنجی پارک میں مارخور بھیڑوں کی تعداد زیادہ ہے۔ 32 ہزار سے زیادہ بھیڑیں روزانہ تین ہزار میٹر بلندی تک خوراک تلاش کرتی نظر آتی ہیں۔ لومڑیاں، بھیڑیے اور جنگلی بلیاں اس پارک کی شان سمجھی جاتی ہیں۔ البتہ کبھی کبھار چیتے بھی دوسرے علاقوں سے نقل مکانی کر کے اس پارک میں آجاتے ہیں۔ ہزار گنجی میں خطرناک نسل کے سانپ بھی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس علاقے کی سیاحت کے لئے جانے والوں کو ہمیشہ گائیڈ کی فراہم کردہ معلومات اور راہنمائی کے مطابق سفر کرنا چاہئے۔ خدانہ کرے لاعلمی میں وہ کسی موذی کا شکار ہو جائیں لیکن ایسے حضرات جو اس خطے میں نایاب جڑی بوٹیاں تلاش کرنے آتے ہیں۔ انہیں عموماً کسی حادثے کا شکار بھی ہونا پڑتا ہے۔ ہزار گنجی میں جنگلی چیری سمیت متعدد پھل دستیاب ہیں۔ یہاں ریسٹ ہاؤس بھی ہے جہاں رات گزاری جاسکتی ہے۔ پارک کے رینجرز سیاحوں کو اپنی حفاظت میں لے کر پارک کی سیر کراتے ہیں۔